ماہنامہ

حیات نو

انجمن طلبہ قدیم کا ترجمان

ماہنامہ

حیات نو

● مدیر مسئول ـــــ مطیع اللہ فلاحی مدنی

● مدیر ـــــ طارق فار قلیط فلاحی

جمادی الاخری ۱۴۰۵ھ

مطابق مارچ ۱۹۸۵ء

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زر تعاون ختم ہو گیا ہے براہ کرم ۲۵ روپیہ ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر حیات نو جامعۃ الفلاح
بلریا گنج
اعظم گڈھ ۔ یوپی
276121

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقوش حیات نو

اداریہ

"جو بڑھ کے خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے" ـــــ ایڈیٹر ۲

بارگاہ خداوندی سے

درس قرآن ـــــ حافظ نعیم الدین اصلاحی ۷

بارگاہ رسالت سے

مقصد فراموشی کا انجام ـــــ مولانا ابوبکر اصلاحی صدر جامعہ ۸

اسوۂ صحابیہ

بلندیاں جن کے لئے جھک گئیں ـــــ شمس نوید عثمانی ۱۱

عقائد افکار و نظریات

عقیدۂ آخرت اس کی اہمیت و ضرورت ـــــ ابو سلمی فلاحی ۱۳

محمدؐ سچے رسول اور نبی آخر الزماں ہیں ـــــ ثروت جمال اصمعی ۱۸

اسلامی تحریک کی عالمگیر بنیادیں ـــــ طارق فار قلیط فلاحی ۲۲

اسلام اور نفرانیت ـــــ عارف اعظمی ۲۴

اقبال مریم جمیلہ کی نظر میں ـــــ مریم جمیلہ ۳۲

حقوق شہریت میں اسلامی مساوات کی ایک جھلک ـــــ سلطان احمد اصلاحی ادارۂ تحقیق و تصنیف علیگڈھ ۴۲

پاکستانی اطباء اور دواخانہ منصوبہ بندی ـــــ حکیم مشتاق احمد اصلاحی صدر اسلامی جمعیت اطباء پاکستان ۴۵

کمیونزم کی فکری بنیادیں ـــــ عبدالحی فاروق متعلم عربی ہفتم ۵۱

شعر و نغمہ

کمال قدرت ـــــ منصور مبارکپوری استاد جامعہ ۳

غزل ـــــ اختر اعظمی جلالپوری ۴۱

غزل ـــــ شاکر تسلیم ۴۴

جامعہ کے لیل و نہار

جمعیۃ الطلبہ کے مقابلے ـــــ حسن حبیب کے قلم سے ۵۴

اداریہ

جو بڑھ کے خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

"عالمگیر اسلامی احیاء کی تحریک کے چار ایسے پہلو ہیں جن کی طرف میں خصوصی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں

۱۔ یہ تحریک کسی جزوی تبدیلی یا محض وقتی اصلاح کی تحریک نہیں ہے۔ اس تحریک کا اصل ہدف پورے نظامِ زندگی کی اصلاح ہے اور اس کی پشت پر دورِ حاضر کے اسلامی مفکرین اور سماجی مصلحین کا بڑا ٹھوس اور حقیقی کام ہے۔ اس کی تعمیر میں شاہ ولی اللہؒ سے لے کر علامہ اقبالؒ، حسن البنا شہید، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر علی شریعتی جیسے مفکروں کی فکر اور سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید سے لے کر آج کے ان مجاہدوں اور شہیدوں کا لہو شریک ہے جو افغانستان سے لے کر شام تک اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اس تحریک کا سب سے اہم پہلو مکمل اجتماعی تبدیلی کا واضح نقشہ اور نوجوانوں کی بیداری اور جذبۂ قربانی ہے۔

۲۔ دوسرا اہم پہلو وہ فکری انقلاب ہے جو اس زمانے میں آیا ہے۔ نصف صدی پہلے مسلمان بھی اس تصور پر قانع ہو گیا تھا کہ عقیدہ اور عبادت کا تحفظ اسلام کی بقا کے لئے کافی ہے اور اگر مسلمان حکومتیں اسلام کو اپنا مذہب مان لیں اور وزارت حج اور اوقاف قائم کر لیں تو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لازمی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ دورِ جدید کے اسلامی اور فکری انقلاب نے یہ بات واضح کی کہ سجدے کی اجازت اور اسلام کی آزادی دو الگ چیزیں ہیں اس نے چیلنج کیا کہ

ع۔ ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

حالانکہ اسلام میں آزادی کے معنی ہر شعبے میں اسلام کی رہنمائی کے مطابق تشکیل جدید ہے۔ اسلام کا کم سے کم تقاضہ یہ ہے کہ خدا کی حاکمیت اور کتاب وسنت کی بالادستی کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تسلیم کیا جائے، اور شر کو اس کی ہر شکل میں مٹانے اور معروف کو اس کی ہر شکل میں قائم کرنے کی سعی کی جائے۔ اسلام کی حکمرانی صرف مسجد کی چہار دیواری پر نہیں، زندگی کے تمام اہم شعبے جس میں قانون وعدالت، سماج ومعاشرت، تجارت، معیشت، تعلیم اور ثقافت، ملکی اور بین الاقوامی قانون کا ہر گوشہ شامل ہے۔"

اسلام نے زندگی کے تناقضات کو نمایاں کر دیا ہے اور ایک نئی کشمکش کو جنم دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اب ان تناقضات سے تعرض کیا جا رہا ہے اور اجتماعی اور انفرادی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ ان منکرات کو ختم کیا جائے جو ہمارا روزمرہ کا معمول بن گئے تھے لیکن جو اسلام کی نگاہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت بلکہ اعلانِ جنگ تک کے مترادف ہیں۔

۳۔ اس دور کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ تبدیلی صرف اصلاحی فکر کے احیاء تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں عملی تبدیلی کی جدوجہد کا دور ہے۔ یہ کشمکش اور جدوجہد تعلیم، معاشرت، معیشت، سیاست غرض ہر میدان میں روبہ ترقی ہے۔ پاکستان اور سوڈان میں اجتماعی زندگی میں تبدیلی کی کوشش، ایران کا اسلامی انقلاب، شام اور افغانستان کا جہادِ آزادی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں

اس تحریک کے اثرات ان ممالک پر بھی پڑے۔ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، جہاں اسلام کی دعوت حال ہی میں پہنچی ہے جیسے مغربی یورپ اور امریکہ۔ احیاءِ اسلام کی جدید تحریک کا ایک دوررس قابلِ غور پہلو بھی ہے کہ اسلامی فکر کے احیاء اور ملکی تبدیلی اور خلافی قیادت کی کوششوں کے ساتھ ساتھ چند مختلف دائروں میں نئے تجربات کا آغاز بھی ہوا ہے۔ کئی ایسے تعلیمی ادارے وجود میں آئے ہیں جہاں اسلامی بنیادوں پر تعلیمی اداروں کی جدید تشکیل کا آغاز کیا گیا ہے۔ متعدد ایسے بین الاقوامی ادارے بنے ہیں جو اسلامی افراد کی طرف پیش رفت کا اعلان ہیں۔ اس طرح معیشت کے میدانوں میں بھی اور سرکاری دونوں ہی سطحوں پر چند اہم تجربات شروع ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں زکوٰۃ کے قیام، معاشرت کے احیاء، سود سے پاک معاشی اداروں کی تشکیل اور مسلمان ملکوں اور اداروں کے درمیان تعاون اور اشتراک کی توثیق قابلِ قدر اقدام ہیں۔ اس طرح احیاء کی یہ کوشش اداروں کی تبدیلی پر منتج ہو رہی ہے جو ٹھوس حوصلہ افزا رجحان کو پیدا کرتی ہیں۔

یہ طویل اقتباس پروفیسر خورشید احمد کے ایک مقالے سے ماخوذ ہے جسے انہوں نے ۱۹۸۵ء میں "اسلامی کانفرنس برائے صنعت و تجارت" میں پڑھ کر سنایا تھا۔ موصوف نے جس عالمگیر اسلامی احیا کی تحریک کے جن چار پہلوؤں کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے وہ حقیقی اہمیت رکھتے ہیں اور اہم بھی اور جس جامع انداز میں پیش کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ "۱۹۸۵ء نوجوانوں کا سال ہے۔ اس بین الاقوامی سال کے موقع پر ہمیں ان پہلوؤں کو نظر میں رکھنا چاہیے جو ہمارے لئے مہمیز کا کام دیں گے اور زندگی کا صحیح رخ متعین کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے۔

انسانی معاشرے کے اندر نوجوانوں کا عنصر سب سے زیادہ طاقتور اور توانائیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ بلندیوں کو چھو لینا اور منزل کو پالینا ان کے لئے کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہوتا۔ وہ جب اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتے ہیں تو سستانے کا نام نہیں لیتے اور راستے کے نشیب و فراز، دشواریاں اور رکاوٹیں ان کے لئے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہواؤں کے رخ کو پھیرنا اور انقلابات کے رخ کا تعین کرنا نوجوانوں ہی کا کام ہے۔ تمام قومیں اور ملتیں اپنے نوجوانوں سے کچھ امیدیں وابستہ رکھتی ہیں اور امتِ مسلمہ بھی اپنے سب سے طاقتور عنصر پر نظریں لگائے ہوئے ہے۔ اور بجا طور پر حقیقت جواب کی توقع رکھتی ہے۔ کیا ہم اس کے خواب کی تعبیر بن سکتے ہیں اور ان کی امیدوں کو پورا کر سکتے ہیں؟

ادارہ طلوعِ قدیم کے نمبر سے دو سالہ اجلاس اور اقوام متحدہ کے بین الاقوامی نوجوانوں کے سال کے پس منظر میں ہم اپنے اس اداریہ کو مسلم طلبہ اور نوجوانوں سے معنون کرتے ہیں۔

آج سے نصف صدی پیشتر جب ہم اپنی تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہیں اور اس وقت کے حالات اور آج کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو اگرچہ کچھ زیادہ فرق واضح نہیں ہوا ہے لیکن کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے۔ ذرا آپ بھی اپنے ذہن پر زور ڈالئے یاد آئے گا کہ ایشیا میں، یورپ میں، افریقہ میں، ہر جگہ کہیں بھی ہم تھے انگریزوں کے غلام تھے، انگریزوں نے ہماری ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہمارے ملک پر، ہماری تجارت پر، ہمارے ذہنوں اور دماغ پر، ہماری فکر و سوچ پر، ہمارے اجتہاد و تحقیق پر، غرض کہ سب کچھ ہم سے چھین لیا تھا اور ہم بالکل نوکروں کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اور افسوس تو اس بات پر ہے کہ ہم نہایت خوشی، دل کی آمادگی اور فخر کے ساتھ یہ کردار ادا کر رہے تھے اور اپنی درماندگی، بے چارگی اور سجدہ ریزی کا احساس تک ہمارے دلوں میں نہیں تھا ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہم میں حرکت پیدا ہوئی اور زندگی کی رمق نمودار ہوئی اور انگریزوں کے سیاسی غلبہ و اقتدار سے ہم آزاد ہو

لیکن ذہنی غلامی ہنوز باقی رہی۔ ہمارا ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا۔ یا بنا دیا گیا کہ انگریزوں کی تہذیب، ان کی ثقافت، ان کا تمدن ہی سب کچھ ہو گیا۔ انگریزوں کی طرف سے آنے والی ہر بات کو ہم بے چون و چرا تسلیم کرتے رہے اور اس کے مقابلے میں ہم نے دین و مذہب کو خیرباد کہہ دیا، خدا و رسول، کتاب، جنت، دوزخ، ساری چیزیں مشکوک نظر آنے لگیں، اور مذہب کو محض ایک نجی معاملہ بنا کر دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا گیا،

لیکن زیادہ دن نہیں گزرے کہ مغربی تہذیب و تمدن کا کھوکھلا پن سامنے آ گیا اور اس کی تباہ کاریاں گل کھلانے لگیں، مغربی تہذیب اپنوں ہی کے درمیان بے یار و مددگار ہو گئی اور دوسری طرف کچھ قومیں ابھریں جنہوں نے بڑے اعتماد اور یقین کے ساتھ ہم کو جگایا اور ہمارے متزلزل اسلامی عقائد کے اندر پختگی کی روح پھونکی۔ ہم میں اتحاد و اتفاق کی اہمیت جد و جہد کی۔ قرآن و حدیث کے گرد ہم کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی۔ ہمارے اندر جینے کا حوصلہ اور عزم پیدا کیا۔ ہماری خودی کو جگایا اور ہمارے اندر اعتماد پیدا کیا۔ پھر ہم اٹھا ہوئے، انجمنیں بنائیں، ادارے قائم کئے اور تحریکیں منظم کیں۔ ہم نے خود بھی اسلام پر عمل کرنے کا عہد کیا اور تمام انسانیت کو بھی اس راستے کی طرف بلایا۔ یہی اللہ کا واحد راستہ ہے اور یہی سارے انسانوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔

لیکن جب ہم نے گزری پر نظر ڈالی تو چودہ صدیاں بیت چکی تھیں۔ اور وقت نے ہم کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ برسوں پیچھے نہیں بلکہ صدیوں پیچھے .... پھر ہم نے ایک عزم کیا تھا اعلان کیا کہ یہ صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ اس صدی میں ہم اسلام کا مکمل نمونہ بنیں گے اور اسلام کے پیغام کو گھر گھر عام کریں گے۔ تب سے آج تک یہ سفر برابر جاری ہے۔ بہتر ہوگا اگر ان نمونوں کو بھی اپنے سامنے رکھیں۔ قرآن کہتا ہے: "إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا .... إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الکہف ۱۳) جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے

اور انہوں نے کہا کہ اے پروردگار ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے، تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

ہم ان کا اصل قصہ تمہیں سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔

(ترجمہ قرآن مولانا مودودی)

ایک دوسرا واقعہ قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ (طٰہٰ)

فرعون نے کہا "تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادوگری سکھائی تھی۔ اچھا، اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تم کو سولی دیتا ہوں۔ پھر تم کو پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے" (یعنی میں تمہیں زیادہ سخت سزا دے سکتا ہوں یا موسیٰ) جادوگروں نے جواب دیا "قسم ہے اس ذات کی جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آ جانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے تو زیادہ سے زیادہ بس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا۔

درگذر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔"

(ترجمہ قرآن مولانا مودودیؒ)

یہ وہ مثالیں ہیں ان نوجوانوں کی جنہوں نے تلواروں کے سائے تلے اپنے ایمان کا اعلان کیا اور مشکل ترین حالات میں بھی جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے۔ خدا ہمیں ان کے راستہ پر چلائے۔ آمین۔

۱۷ جنوری ۱۹۸۵ء کو ہمارے ملک ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں ایک ایسے جاسوسی اسکنڈل کا انکشاف کیا گیا جس کے تانے بانے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور جن کے ذریعہ سالوں سے اندر ہی اندر ہمارے خفیہ رازوں، اہم دستاویزوں اور دفاع کے اہم منصوبوں کو اسمگل کیا جاتا رہا ہے۔ یہ لارکنس برادران کے بعد دوسرا بڑا جاسوسی اسکنڈل ہے اور آزاد ہندوستان کی تاریخ میں سب سے بڑا جاسوسی اسکنڈل ہے۔ اس تحقیقات سے جو باتیں واضح ہوئی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرانس واضح طور سے اس میں ملوث ہے اور امریکہ، برطانیہ، مغربی اور مشرقی جرمنی، پولینڈ کے ملوث ہونے کے امکانات ہیں۔ روس کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ ایک بہت بڑی سازش ہے جو ہندوستان میں توڑ پھوڑ، انتشار اور بدامنی پھیلانے کے لئے کی جا رہی ہے اور کچھ ہندوستان دشمن قوتیں ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اب تک کی تحقیقات سے جو بات سامنے آئی ہے وہ بڑی ہی سنگین ہے۔ تمام اہم منصوبے اور دستاویزیں غائب کی جا چکی ہیں۔

۱ وزارت دفاع سے متعلق ۱۹۹۰ء تک کی جانے والی خریداری کا منصوبہ، تمام جنگی ساز و سامان بشمول ٹینک، ٹرانسپورٹ طیارے، آبدوز کشتیوں سے متعلق ترجیحی کاغذات،

زمینی حملہ کی کارروائیوں میں طیاروں کے لئے استعمال کئے جانے والے پائلٹ سائز نیز اسلحے سے متعلق منصوبے،

دفاعی حملے سے متعلق منصوبہ جس میں پاکستان کی جوکھیاں اور تنصیبات پر حملہ کا منصوبہ بھی شامل ہے۔

حساس سرحدی علاقوں بشمول لداخ میں حملہ اور جوابی حملوں سے متعلق منصوبے، امریکی سٹلائٹ سے حاصل کی گئی اور پاکستان کے فراہم کردہ تصویروں سے متعلق دستاویزات جو ہندوستانی خفیہ ذرائع نے اکٹھا کی تھیں۔

ہندوستان کی دفاعی تحقیق سے متعلق لیبارٹریز نیز بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر میں نیوکلیائی ریسرچ کے میدان میں ہونے والی پیش رفت سے متعلق تفصیلات ہیں۔ (سہ روزہ دعوت ۲۵ جنوری ۱۹۸۵ء)

اس سلسلے میں سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اتنے بڑے جاسوسی اسکنڈل کا پتہ محض اتفاقاً ہو گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنجہانی اندرا جی کے قتل کی تحقیق کے دوران کچھ افسروں کی حرکتوں پر شک پیدا ہوا اور ان پر نظر رکھی جانے لگی جس کے نتیجہ میں یہ کیس ظاہر ہوا۔

یہ کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارے پاس خفیہ کا ایک باقاعدہ نظام ہوتے ہوئے وزیر اعظم، صدر جمہوریہ، وزارت خارجہ، وزارت دفاع کے اندر سالہا سال سے جاسوسی ہوتی رہی مگر ہم اس کو معلوم نہ کر سکے۔ ہماری سی بی آئی اور "را" غالباً وزیر اعظم کے سیاسی مخالفین کے پیچھے پڑی رہیں، وہ دراصل کو ہٹایا گیا اور بدلا جاتا رہا اور خفیہ نہیں لوٹتے رہے۔ آخر یہ کب تک ہوتا رہے گا؟ کیا اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں گی کہ ہم ان ایجنسیوں کو منظم کریں اور ان کا کام ان کے سپرد کریں؟

اس کیس کا دوسرا، اہم اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے ہی افراد چند سکوں کے بدلے ملک، قوم اور وطن سے غداری کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ کمار نارائن جو ایک تاجر ہو کر بمبئی کی "مانک لال کمپنی" کا بزنس ایگزیکٹو ہے اس گروپ کا سرغنہ ہے۔ اس کا اونچے علقوں میں زبردست رسوخ ہے اور رابطے کا پورا کام وہی انجام دیتا تھا۔ اس میں وزیر اعظم کے پرنسپل سکریٹری پی سی الیگزینڈر کے پرسنل سکریٹری مسٹر ٹی این کھیر، صدر جمہوریہ کے ذاتی اسٹاف کا ایک ممبر اور تقریباً

ڈیڑھ سو تین افسران شریک ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے: آخر ان واقعات کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ کیا ہر افسر، ہر وزیر، ہر آفیسر اور ہر کلرک کے پیچھے جاسوس بٹھائے جائیں؟ یا سخت قوانین بنا کر عبرت انگیز سزائیں دی جائیں؟ لیکن جب تک قانون اپنا کام کرے گا اس وقت تک کتنے اہم راز فاش ہو چکے ہونگے؟ اس کا جواب ایک اور صرف ایک ہے: خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کیا جائے اور یہ ایک زندہ قائم و دائم خدا کو تسلیم کئے بغیر ناممکن ہے۔

آٹھویں لوک سبھا الکشن کی یادیں ابھی عوام کے ذہنوں میں تازہ تھیں، اور وہ اس کے حیران کن نتائج پر برابر گفتگو کئے جا رہے تھے کہ توقع کے عین مطابق ۲۲ جنوری کو الکشن کمشنر نے ایک الکشن کا اعلان کیا۔ ۲ اور ۵ مارچ کو دس ریاستوں اور علاقہ جات کے انتخابات ہوں گے۔ اور اپوزیشن اور حکمراں جماعت کو ابھی اپنی قسمت آزمانے کا موقع ملے گا۔ اور عوام پھر ایک بار اپنے ووٹوں کا استعمال کریں گے۔

کانگریس آئی چاہتی ہے کہ عوام کی زبردست ہمدردی کی لہر سے ایک بار اور فائدہ اٹھایا جائے اور ریاستوں میں بھی اپنی حکومتیں بنائی جائیں۔ اور اس کا اس طرح سوچنا درست بھی ہے۔ ہر پارٹی کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ مرکز اور ریاستوں میں ہر جگہ اسی کا اقتدار ہو۔ لیکن کیا عوام پھر ایک بار کانگریس آئی کو زبردست اکثریت سے جتا دیں گے؟ بظاہر آثار ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔ عوام کا موڈ ابھی بدلا نہیں ہے اس لئے کانگریس آئی کی جیت یقینی ہے۔

تاہم ایک سوال بڑا اہم ہے اور ہم کو بار بار سوچنا چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ جمہوریت میں اپوزیشن کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے اور اپوزیشن کے بغیر جمہوریت جمہوریت نہیں رہتی۔ مرکز اور ریاستوں دونوں جگہ اپوزیشن کا صفایا عوام کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ کاش عوام، اپوزیشن اور حکمراں جماعت سنجیدگی سے اس پر غور کرتیں۔

ڈاکٹر [illegible] ٭٭

کمالِ قدرت

از مشفق مبارکپوری — استاذ جامعہ

یہ قطرہ مختصر سا ہے، بظاہر جو محقر ہے
یہی قطرہ سمندر سے ملے تو خود سمندر ہے
یہی قطرہ ہے برگِ گل پہ ہنگامِ سحر شبنم
یہی قطرہ صدف کے منہ میں پڑ جائے تو گوہر ہے
یہی قطرہ برودت سے جمے تو برف ہو جائے
یہی قطرہ فضا سے جم کے گر جائے تو پتھر ہے
یہی قطرہ اگر دردِ دروں سے آنکھیں برسائیں
یہ ابرِ چشم کا قطرہ، سرشکِ دیدۂ تر ہے
یہی قطرہ کبھی جب اہلِ حرفت پھول سے کھینچیں
تو پھر وہ عطر ہے جس سے مشامِ جاں معطر ہے
یہی قطرہ ہے وہ قطرہ جسے کہئے فقط قطرہ
طبیبوں کے تصرف سے مگر آبِ مقطر ہے
یہی قطرہ ہے جب تک صلب میں، رہے جسم کا جوہر
یہی قطرہ کبھی امیدِ فرزندِ موقر ہے
یہی قطرہ رحم میں پل کے جب آغوش تک پہنچے
چراغِ زندگی ہے، قرۃ العینینِ مادر ہے
یہ قطروں کا تصرف ہے، کمالِ قدرتِ باری
اسی سے پیدا ہے مشفقؔ زمانہ پر جو منظر ہے

بارگاہِ خداوندی سے

درسِ قرآن

حافظ نعیم الدین اصلاحی

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آ لیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کیلئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔ تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کرکے بھی اور چپکے چپکے بھی (اپنی حاجات)۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جائیں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ۔ اور تم اس (یعنی اللہ تعالیٰ) کی عبادت کیا کرو ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔" (سورۃ الاعراف ۵۴، ۵۵، ۵۶ آیات۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

ان آیات کے مطالعے سے چند باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

اس پوری کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہے۔ زمین، آسمان، سورج اور چاند وغیرہ میں کسی کی حصہ داری نہیں ہے کوئی شے بھی اس کے حکم کے بغیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی ہے جب ہر چیز کا خالق وہی ہے اور تکوینی طور پر ہر چیز کا مالک اور حاکم بھی وہی ہے تو لامحالہ تشریعی طور پر بھی حاکم اسی کو ہونا چاہیے جیسے آسمان پر اسی کی بادشاہت ہے تو پھر زمین پر بھی اسی کی بادشاہی ہونی چاہیے۔ "وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ"

(۲) زمین آسمان اور پوری کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ایک ہی ہستی ہے اور اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو پھر سارے ہی انسانوں کیلئے ضروری ہے کہ اسی ایک خدا کے سامنے عاجزی، عاجزی اور پوری نیاز مندی کے ساتھ جھکیں اور تکوینی حاکمیت کے ساتھ اسکے تشریعی اقتدار کو بھی تسلیم کریں۔

(۳) لیکن جو لوگ بھی اس کی تشریعی حاکمیت کا انکار کرتے ہیں وہ حقیقت میں باغی ہیں، سرکش ہیں، حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور فساد فی الارض کے مرتکب ہیں۔ فساد فی الارض قرآن کی اصطلاح میں کہتے ہی اسکو ہیں کہ انسان خدائی قانون کی جگہ پر یا اپنے جیسے انسانوں کا قانون نافذ کرے۔ یہ لفظ قریب قریب موجودہ دور کے سیکولرزم کا ہم معنی ہے۔ اس کا بالمقابل لفظ قرآن کریم کی اصطلاح میں "اصلاح فی الارض" ہے، جس کا مطلب ہے انسانی قانون کی جگہ خدائی قانون کے نفاذ کی جد وجہد کرنا۔

"فساد نہ پھیلاؤ اصلاح کی کوشش کے بعد" یعنی جب کچھ لوگ خدائی قانون کے نفاذ کی جدوجہد کررہے ہیں تو تم ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکاؤ۔ فساد فی الارض تو ہر حال میں جرم عظیم ہے لیکن اس وقت اسکی شناعت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ کچھ اللہ کے بندے اس دنیا میں خدا کے تشریعی نظام کی اقامت کی کوشش کررہے ہوں تو دوسرے لوگ اٹھ کر ان کی مخالفت کرنے لگ جائیں اور مصلحین کی آواز کو دبانے کی کوشش کرنے لگیں۔

(۴) اسی ایک خدا کی بندگی کرو ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ انسانوں سے بندگیٔ رب کا مطالبہ دو کیفیتوں کے ساتھ کیا جارہا ہے ایک منفی (خوف) دوسری مثبت (رجاء) اور یہ دونوں کیفیتیں ـــ مثبت اور منفی ـــ انسان کی پوری زندگی کو متوازن اور معتدل رکھنے کیلئے ناگزیر ہیں۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں: "یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کے ساتھ بندے کا تعلق توازن کی [illegible] چاہتا ہے جیساکہ وہ خوف اور رجا دونوں کے بیچ میں ہو۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا غلبہ زیادہ ہو جائے تو توازن بگڑ جاتا ہے۔ اگر رجا غالب ہو جائے تو خدا کے معاملے میں انسان بے پروا ہو جاتا ہے [illegible] رحمت [illegible] آدمی اپنے کو کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ اگر خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے تو [illegible] پیدا کرتا ہے [illegible] ادیان کے پیروؤں میں [illegible] جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان کی تفصیل [illegible]

[illegible]

* [illegible] (تدبر قرآن [illegible]) [illegible] ایمان خوف و رجاء [illegible]
ڈر اور امید کے درمیان ہے۔ (۵) اللہ کی رحمت [illegible] خدا کی اطاعت [illegible]
کرتے [illegible] سرکش، باغی، نافرمان [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] رحمت [illegible]

بارگاہ رسالت سے

مولانا ابوبکر اصلاحی

مقصد فراموشی کا انجام

عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف بکم اذا طغی نساؤکم وفسق شبابکم وترکتم جهادکم قالوا وان ذالک لکائن یا رسول اللہ قال نعم والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون قالوا وما اشد منہ یا رسول اللہ قال کیف انتم اذا لم تأمروا بالمعروف ولم تنهوا عن المنکر قالوا وکائن ذالک یا رسول اللہ قال نعم والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون قالوا وما اشد منہ یا رسول اللہ قال کیف انتم اذا رأیتم المعروف منکرا ورأیتم المنکر معروفا قالوا وکائن ذالک یا رسول اللہ قال نعم واشد منہ سیکون یقول اللہ بی حلفت لأتیحن لهم فتنة یصیر الحلیم فیها حیران

(ابن ابی الدنیا)

حضرت ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہو جائیں گی اور تمہارے نوجوان نافرمان ہو جائیں گے اور تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے، صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! حقیقت میں ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب اس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ صحابہ نے کہا اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا، تمہارا کیا حال ہوگا جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھو گے، صحابہ نے کہا، اے اللہ کے رسول کیا ایسا ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے کہیں آگے ہوگا صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول اس سے آگے بڑھ کر کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم کس مقام پر ہوگے جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگو گے۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا وہ دن بھی آنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے بھی برا دن آنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے میری ذات کی قسم (جب ایسی صورت حال ہو جائے گی تو) میں ان کے لئے ایسا فتنہ برپا کروں گا جس میں صاحبان عقل و ہوش حیران و ششدر رہ جائیں گے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیلئے یہ بات حد درجہ حیرتناک تھی ہی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ ان کی عورتیں اللہ و رسول کی فرمانبردار تھیں ان کے نوجوان اللہ و رسول کے اطاعت گذار تھے اور وہ خود اللہ کی راہ میں ہر وقت جان و مال کی قربانی دینے کیلئے تیار رہتے تھے۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب آپکی زبان مبارک سے انھوں نے یہ سنا کہ ایک ایسا دور بھی آنیوالا ہے جب مسلمان عورتیں باغی و سرکش ہو جائینگی، مسلم نوجوان فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں گے، اور عام مسلمان اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے سے کنارہ کش ہو جائیں گے، صحابہ کرام نے جب حیرت کے ساتھ یہ کہا کہ کیا ایسا بھی دن آنیوالا ہے کہ مسلمان مرد، عورتیں اور نوجوان دینی خصوصیات کھو دیں گے تو آپ نے فرمایا کہ یہی نہیں بات اس سے بھی آگے جا پہنچی ہوگی نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا جو مومن کا فریضہ اور اس کی امتیازی خصوصیت ہے وہ اس سے کنارہ کش ہو جائیں گے، اس پر صحابہ کرام کو اور زیادہ حیرت ہوئی، اس لئے کہ ان کے مرد، عورتیں، جوان اور بچے سبھی اس فرض کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے، انھوں نے جب حیرت و افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دریافت کیا کہ کیا ایسا بھی دن آنیوالا ہے جب مسلمان اپنا امتیازی وصف ہی کھو دیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ بات اس سے بھی کہیں آگے ہوگی اور صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہوگا۔ جو لوگ نیکیوں کے پروان چڑھانے والے اور برائیوں کو مٹانے والے تھے انھیں کے خلاف اور نام لیوا معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرنے لگیں گے، جب صورت حال یہ ہوگی تو آپنے خود کچھ کہنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے جس سے اس حالت کی اہمیت اور نزاکت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب مسلمانوں کا یہ حال ہو جائیگا تو میں ان کے لئے ایسی آزمائش تیار کروں گا جس سے صاحبان عقل و ہوش، حواس باختہ ہو جائیں گے،

آج جب ہم حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مسلمان اسی صورت حال سے دوچار ہیں عورتوں کے اندر سرکشی و بغاوت پیدا ہو چکی ہے، نوجوان فسق و فجور میں مبتلا ہو چکے ہیں عام مسلمان اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے سے گریزاں ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غافل ہیں، بلکہ یہ صورت حال رونما ہو چکی ہے کہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کیا جانے لگا ہے چنانچہ ہم اسی صورت حالات دوچار ہیں جسکی خبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الاكلة الى قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ قال بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن في قلوبكم الوهن قال قائل يا رسول الله وما الوهن قال حب الدنيا وكراهية الموت (ابوداؤد)

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (وہ وقت) قریب ہے کہ قومیں (تمہیں ہلاک کرنے کے لئے) تم پر ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے لوگ دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو ایک سائل نے سوال کیا۔ اس دن ہماری تعداد کی کمی سے ایسا ہوگا۔ آپنے فرمایا تم ان دنوں تعداد میں بہت زیادہ ہوگے لیکن سیلاب کے جھاگ

جیسے (بے وزن و بے حیثیت) ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا دبدبہ ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا تو ایک سائل نے سوال کیا کہ وھن کسے کہتے ہیں، آپ نے فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری۔

اس وقت مسلمان تعداد کے لحاظ سے بہت ہیں۔ خود ہندوستان میں مسلمان کم نہیں ہیں پندرہ کروڑ کی تعداد کم نہیں ہوتی۔ لیکن مندرجہ بالا حدیث شریف کے مطابق ہمارا حال سیلاب کے جھاگ جیسا ہے ہم اسی کی طرح بے وزن و بے حیثیت ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کے دلوں سے ہمارا رعب و دبدبہ ختم کر دیا ہے اور ہمارے دلوں میں دنیا سے محبت اور موت کا ڈر پیدا ہو گیا ہے۔

چنانچہ عالمی سطح پر ہمیں فنا کرنے کے جو منصوبے بروئے کار لائے جا رہے ہیں وہ ڈھکے چھپے نہیں ہیں اور ملکی سطح پر جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اسے تو ہم بھگت ہی رہے ہیں۔ جان، مال، عزت و آبرو کوئی چیز بھی محفوظ نہیں ہے۔ فسادات ہوتے ہیں اور مسلمان یکطرفہ مارے جاتے ہیں۔ ان کی جائدادیں اور اثاثے تباہ و برباد کیے جاتے ہیں ان کی عزت و ناموس پر دست دراز کی جاتی ہے۔ پھر وہی مجرم بنائے جاتے ہیں۔ انھیں کی گرفتاری ہوتی ہے اور انھیں پر مقدمات چلائے جاتے ہیں اور یہ کوئی دو چار، دس بیس اور سو دو سو جگہوں کی بات نہیں ہے بلکہ آزادی کے بعد سے فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو چلا جا رہا ہے

ہمارے اندر علماء کرام بھی ہیں، عقلائے عظام بھی ہیں صوفیاء و محترم المقام بھی ہیں یہ سب کچھ ان کے سامنے ہو رہا ہے وہ کھلے کانوں سن رہے ہیں اور کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں اور اخبارات و رسائل میں پڑھ رہے ہیں مگر ان کی حس بیدار نہیں ہو رہی ہے، اس حالت میں بھی وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا نہیں بیٹھ سکتے، مل جل کر کوئی لائحہ عمل نہیں تجویز کر سکتے، اور اس کے "تدارک کی تدبیریں نہیں" سوچ سکتے، یہ مقصد حیات کو نظر انداز کر دینے کا وبال ہے جو ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ سچ فرمایا ہمارے خالق و مالک نے کہ،

لا یتمن فتنۃ یصیل الحلیم فیہا حیران

ایسی حالت میں میں ایسا فتنہ برپا کروں گا جس میں صاحبان عقل و ہوش کے حواس باختہ ہو جائیں گے،

آج ہم اسی صورت حال سے دوچار ہیں، کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ ہم اپنے مقصد حیات کو اپنا لیں، اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور اپنے محسن آقا کی رحمت و شفقت کے مستحق بن جائیں۔

نبیؐ نے فرمایا۔ حسد سے بچو، اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر ڈالتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو

(ابوداؤد — ابوہریرہ)

شمس نوید عثمانی

بلندیاں جن کے لئے جھک گئیں

جنگ احد کے زخموں کی کسک ابھی کم نہ ہوئی تھی کہ حضرت منذرؓ بن عمرو ایک اور تازہ زخم کھانے کیلئے تیار ہو گئے۔ بیر معونہ سے آئے ہوئے ایک وفد نے خدا کے رسولؐ سے عرض کیا تھا کہ ہمیں اور ہماری بستی کو ایسے داعیانِ حق کی ضرورت ہے جو اپنے انوارِ قلب و نظر کے ساتھ وہاں کی مشرکانہ تاریکیوں سے جہاد کر سکیں۔ اور ان سے عام فہم انداز میں بات کریں کہ ہم اسلام کا پیغام سنیں، سوچیں سمجھیں اور زندگی کا آخری فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ رسول اللہؐ اور آپ کے جاں نثاروں نے جیتی انسانوں کی یہ دعوت بغور سنی۔ اور ایک لمحہ تذبذب میں پڑے بغیر یہ فیصلہ کر لیا کہ جن لوگوں کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد یہی ہے کہ خدا کے بندوں کو اس کا آخری پیغام پہنچا دیں، وہ انہیں اس پکار کے جواب میں بیر معونہ کی وادی میں پہنچ جانا چاہئے۔

سوچنے کو تو اس وقت بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ حق اور باطل کی زہرناک کشمکش آنکھوں کے سامنے تھی۔ بدر اور احد کے وہ میدان پوری طرح پیش نظر تھے جہاں خون میں نہائے ہوئے ذرّوں اور لاشوں سے پٹی ہوئی زمین نے کھول کر بتا دیا تھا کہ سچائی کا اعلان کرنا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بغیر کبھی ممکن نہیں ہوا۔ تمام ملک پر جنگ و جدل کی فضاؤں کا تسلط تھا، اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ داعیانِ حق کو اپنے امان میں لے جانے والے یہ اجنبی لوگ عہد پر قائم رہیں گے یا عہد شکنی پر اتر آئیں گے، جانے والے زندہ واپس آئیں گے یا ان کی لاشیں بھی ہاتھ نہ آ سکیں گی۔ لیکن وہاں غداری کے اندیشوں پر غور و فکر میں وقت ضائع کیا گیا نہ راہ کی شعلہ باریوں کا اندیشہ لاحق ہوا ورنہ غزوۂ احد میں لگنے والے گہرے زخموں کے نشانات پر نظر ڈالی گئی، وہاں صرف ایک بات سوچی گئی کہ جن سینوں میں خدا نے اپنے پیغامِ حق کی عظیم امانت اتار دی ہے ان سینوں سے خون کے ابلتے ہوئے فواروں کو بھی یہی پیغام نشر کرنا ہوگا۔

ستّر انصار کو اپنی سرکردگی میں لئے حضرت منذرؓ بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جانے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنے گھروں اور عزیزوں کو پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ ان کی پشت دنیا کی طرف تھی۔ اور ان کا رخ خدا کی طرف تھا۔ پوری ملت میں سے اپنے انتخاب پر کسی نے کوئی احتجاج نہ کیا۔ کوئی حیل و حجت نہ ہوئی، بلکہ خدا کی راہ میں آبلہ پاؤں اور جسم فگاریوں کا پہلا موقع پا کر ان کے چہرے آخرت کی کامیابیوں کے نورانی یقین سے جگمگا اٹھے اور پھولوں کی طرح کھل گئے۔

یہ وفد جو انسانیت کا بہترین درد مند دوست اور جھوٹ اور گمراہی کا جانی دشمن تھا، جیسے ہی بیر معونہ کے نزدیک پہنچا جھوٹی دعوت کا پردہ فاش ہو گیا۔ خدا کے نہتے سپاہیوں پر، انسانیت کے درد اور خدا کے خوف سے کانپتے سینوں پر قبائلی جتھے نے حملہ کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں، سوائے منذرؓ کے سارے داعیانِ حق شہید کر دیئے گئے۔ اپنے ساتھیوں کی خونچکاں لاشوں اور غداروں کی زہریلی تلواروں کے درمیان گھرے ہوئے منذرؓ بن عمرو سے کہا گیا "تمہیں زندہ چھوڑ دیا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ تم ہم سے زندگی کی بھیک مانگو۔"

وہ چہرہ جو اپنے عزیز ترین ساتھیوں کی بے رحمانہ ہلاکت پر سراپا درد و غم بنا ہوا تھا، یہ الفاظ سنتے ہی لیکا یک سرخ ہو گیا۔

(اس صفحہ کا بقیہ) ۵۰ پر

گذشتہ سے پیوستہ

ابوسلمیٰ فلاحی

عقیدۂ آخرت اسکی اہمیت و ضرورت

اب آیئے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کی روشنی میں ان خوشگوار اثرات کا مشاہدہ کریں جو اس عقیدے کو دل کی گہرائیوں میں اتار لینے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

چونکہ یہ اثرات اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے اس لئے ہم صرف ان مخصوص اور اہم اثرات کے ذکر پر اکتفا کریں گے جنھیں آگے اسلامی شخصیت کی تعمیر اور سیرت و کردار کی تشکیل کے سلسلے میں بقیہ تمام اثرات کے درمیان کلیدی حیثیت حاصل ہے (۱) اس عقیدے کا سب سے پہلا اثر یہ پڑتا ہے کہ انسان کے اندر ذمہ داری کا اعلیٰ درجہ احساس پیدا ہو جاتا ہے اور خواہ کتنا ہی کڑا امتحان درپیش ہو اور کتنی ہی عظیم مصیبتوں کا سامنا ہو اسے ہر حال میں اپنے فرائض و واجبات کے انجام دہی کی ہی فکر دامنگیر رہتی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری یا فریضہ عائد کرنے کے بعد آخرت کی یاد دہانی ضرور کرائی گئی ہے تاکہ وہ اس فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ہر وقت حساس رہیں۔

مثلاً سورۂ بقرہ میں احکام حج کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (البقرہ ۲۰۳)

(اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب جان رکھو کہ ایک روز اس کے حضور میں تمہاری پیشی ہونے والی ہے)

اسی طرح سورہ آل عمران میں اہل ایمان کو کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت کے بعد آخر میں تذکیر کے طور پر یہ الفاظ ارشاد ہوئے ہیں

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر پائیگا خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا برائی اس روز آدمی یہ تمنا کریگا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا۔ اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔

اور سورۂ "النساء" میں میراث کے احکام کا خاتمہ ان آیات پر ہوتا ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ

(۱۳-۱۴)

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔

سورہ "مریم" میں چند اولوالعزم انبیاء کرام کی عظیم پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی مکمل طور پر انجام دہی اور ان سے والہانہ لگاؤ کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا

یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدم کی اولاد میں سے اور ان لوگوں کی نسل سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ کی نسل سے اور اسرائیلؑ کی نسل سے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے

جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور
برگزیدہ کیا ان کا حال یہ تھا کہ
جب رحمان کی آیات ان کو سنائی
جاتیں تو روتے ہوئے سجدے
میں گر جاتے تھے۔

نظم سورہ کی روشنی میں آیات الرحمان سے مراد آخرت سے متعلق آیات ہیں سورۂ نور میں معیاری مسلمانوں کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝

وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائیگی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ آپ ہی پر قرآن اترا ہے آپ نے فرمایا میری خواہش ہے کہ میں دوسروں سے سنوں میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (نساء ۴۱)

پھر سوچو کہ اس وقت کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (محمد ﷺ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

تو آپ نے فرمایا بس بس پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

دنیا میں عظیم ذمہ داری اور سرداری اور خدا کے حضور اسکے بارے میں گواہی کے گہرے احساس نے آپ پر یہ کیفیت طاری کردی تھی

(۲) دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے مقابلے میں ڈھٹائی کے بجائے اس کے سامنے سراپا عجز و انکسار بن جاتا ہے اور اپنی معمولی سی لغزش پر متنبہ ہو جانے سے بھی اس کا دل شرمساری اور انابت کے بے پایاں جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے چنانچہ کتب احادیث میں اس قسم کی حدیثیں بہت ملیں گی جنہیں نبی ﷺ نے معمولی لغزشوں پر بھی خدا کے حضور جوابدہی کا احساس دلا کر لوگوں کی خشیت و انابت کے جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا

يَا عَائِشَةُ إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِبًا (مشکوٰۃ باب البکاء والخوف)

اے عائشہ حقیر اور معمولی لغزشوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ کے یہاں ان کے سلسلے میں بھی پوچھ ہوگی

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ کو اپنے ساتھیوں کے سلسلے میں کوئی بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے سامنے جنت اور جہنم کو پیش کیا گیا لیکن میں نے خیر و شر میں آج کے مثل کوئی دن نہیں دیکھا۔ اور اگر وہ باتیں تمہیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ کے صحابہ پر اس دن سے زیادہ سخت کوئی دن نہیں آیا لوگوں نے اپنے سروں کو ڈھانک لیا اور روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ (ریاض الصالحین باب الخوف)

جو ہستیاں اس قدر حساس ہوں کہ معمولی معمولی لغزشوں پر ان پر گریہ و بکا کی کیفیت طاری ہو جائے کسی غلطی کے سرزد ہو جانے پر ان کے توبہ و انابت کا کیا عالم ہوتا رہا ہوگا یہ بیان سے اور آپ کے تصور سے باہر ہے۔

(۳) یہ عقیدہ انسان کے اندر سے خدا کے سوا تمام چیزوں کا خوف نکال کر باطل طاقتوں کے مقابلے میں حد درجہ نڈر اور بے باک بنا دیتا ہے اور اس راہ کی تمام صعوبتوں کو وہ بصد شوق انگیز کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ باطل سے نبرد آزمائی کیلئے میدان کارزار میں کود پڑتا ہے چنانچہ جب فرعون حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کو

نہ ہو گھر اور انھیں پہنچانے کی دھمکی دیتا ہے تو اس وقت وہ نہایت بے باکی کے ساتھ اسے یہ جواب دیتے ہیں۔

قالوا لا ضير انا الى ربنا منقلبون ○ انا نطمع ان يغفر لنا ربنا خطايانا ان كنا اول المؤمنين (شعراء ۵۰-۵۱)

انھوں نے کہا کچھ پروا نہیں کیونکہ ہمیں اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ کو معاف کر دے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

اور جب حضرت طالوت نے جالوت کے خلاف لشکر کشی کی تو ان کی فوج کے بہت سے لوگوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اسی مخلص اور پرعزیمت اہل ایمان نے ان کی ہمت افزائی کی خاطر جو اثر انگیز باتیں ان سے کہیں قرآن نے انھیں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قال الذين يظنون انهم ملقوا الله كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين (بقرہ ۲۴۹)

لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انھوں نے کہا بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اس آیت میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ان پرعزیمت نوجوانوں کی صفت الذين يظنون بیان ہوئی ہے جس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ان کی یہ زبردست عزیمت عقیدۂ آخرت کی پختگی کی رہین منت ہے۔

(۴) ایثار، اخلاص، صلہ رحمی، غرباء پروری اور اخلاق فاضلہ سے آراستگی بھی اسی عقیدے کے شیریں ثمرات ہیں چنانچہ سورۂ دہر میں سچے مسلمانوں کی صفات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما واسيرا ○ انما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شكورا ○ انا نخاف من ربنا يوما عبوسا قمطريرا (دہر ۷-۸-۹)

وہ اشتہا کے باوجود مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلا چاہتے ہیں نہ کوئی شکریہ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔

ان آیات میں علی حبہ کا لفظ ان کے جذبۂ ایثار پر روشنی ڈالتا ہے اور نویں دسویں آیات ان کے نہایت درجہ اخلاص اور خدا کے حضور جوابدہی کے گہرے احساس کا ترجمان ہیں۔

ان کے اخلاص کی مزید عکاسی سورۂ مومنون کی یہ آیت کر رہی ہے۔

والذين يؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة انهم الى ربهم راجعون (مومنون ۶۰)

اور ان کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی سے پوچھا کیا یہ لوگ شرابی اور چور ہیں؟ آپ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی! ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی ڈر لگا رہتا ہے کہ مبادا ان کے یہ اعمال رد کر دیے جائیں یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں (ترمذی کتاب التفسیر) جن لوگوں کے اخلاص کا یہ عالم ہو کہ نیکیاں کرتے ہوئے یہ ڈر لگا رہتا ہو کہ کہیں یہ رد نہ کر دی جائیں۔ ریا، کبر اور احساس برتری کو تو ان کے نام ہی سے وحشت ہوتی رہی ہوگی سورۂ فرقان میں مثالی مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے

فرمایا گیا۔

والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربہم ویخافون سوء الحساب (رعد ۲۱)

ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔

ایک مرتبہ نبیؐ نے صلہ رحمی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا، کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے (مشکوٰۃ باب الضیافۃ)

اور ایک دوسرے موقع پر اخلاق حسنہ کی اہمیت سمجھاتے ہوئے آپ نے فرمایا

انا زعیم ببیت فی اعلی الجنۃ لمن حسن خلقہ

جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں اس کیلئے میں اعلیٰ مقام کا ضامن ہوں۔

۵۔ اس سے انفاق فی سبیل اللہ کا بے پناہ جذبہ ابھرتا ہے اور بخل و حرص کا خاتمہ ہوتا ہے جن کے بطن سے سود، رشوت، بے ایمانی اور بددیانتی جیسی مذموم خصلتیں جنم لیتی ہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے جذبہ انفاق میں کمی محسوس ہوئی یا مزید تیز کرنا مقصود ہوا فوراً آخرت کی یاددہانی اجمالاً یا تفصیلاً کرائی گئی مثلاً سورہ بقرہ میں انفاق پر ان الفاظ میں ابھارا گیا ہے

یا ایہا الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکافرون ہم الظالمون (بقرہ ۲۵۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ شفارش چلے گی، اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں۔

اور ایک مرتبہ نبیؐ نے لوگوں کی توجہ انفاق پر مبذول کرتے ہوئے فرمایا

اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (مشکوٰۃ باب علامات النبوۃ)

آگ سے بچو خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو

ان چیزوں نے ان کے اندر عقیدۂ آخرت کو اتنا راسخ کر دیا تھا کہ ان کا ہر فرد اپنا سب کچھ لٹا دینے کیلئے ہر وقت تیار رہتا اور اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوتا تو رات بھر مزدوری کرکے اس کی پوری اجرت بارگاہ رسالت میں پیش کر دیتا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (آل عمران ۹۲) (تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تم کو عزیز ہیں) نازل ہوئی تو ایک صحابیؓ نے اپنا محبوب ترین باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اسی طرح جہاں حرص اور بخل کی مذمت کی گئی ہے اور ان لوگوں کے خلاف سخت نوٹس لیا گیا ہے جو ان مہلک امراض کا شکار تھے وہاں بھی نہایت دلنشیں پیرائے میں تذکیر آخرت ہی کا سہارا لیا گیا ہے بطور مثال دو آیتیں پیش خدمت ہیں

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار ولا یکلمہم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم ○ (بقرہ ۱۷۴)

حق یہ ہے کہ جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدے پر انہیں بھینٹ چڑھاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے

گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ ۳۴)

دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی کا جمع کرکے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

اس تذکیر نے حرص و بخل کو قلع قمع کرنے میں کتنا فعال رول ادا کیا اس کا اندازہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے کیجئے۔ ایک مرتبہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی موروثی مال کا مقدمہ لیکر آئے دعوی ہر ایک اپنے بارے میں کرتا تھا لیکن واضح ثبوت کسی کے پاس نہیں تھا آپؐ نے فرمایا اگر میں کسی کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دیتا ہوں جو فی الواقع اس کے بھائی کی ہے تو میں اسے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کہنے لگا میرا حق میرے ساتھی کا ہے آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو تم لوگ جاؤ اور حق کے ساتھ تقسیم کرو اور انہیں لینے کے لئے قرعہ اندازی کرو پھر تم میں کا ہر ایک اپنے ساتھی کے لئے اسکے حق کو حلال کرے (مشکوٰۃ باب الاقضیۃ والشہادات)

اور اس عقیدے کی پختگی انسان کو زہد جیسی لازوال نعمت عطا کرتی ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

اول صلاح ھذہ الامۃ الیقین والزھد

اس امت کی صلاح و درستگی کا پہلا زینہ یقین اور زہد تھا

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

زہد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے قلب پر فکر آخرت اس قدر مستولی ہو کہ اس کے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جائے اور اس کی زندگی بود و باش سادہ، اسراف، تن آسانی اور عیش پرستی سے پاک ہو اور وہ اپنے پورے وجود کو دنیا بنانے کی بجائے اپنی اخروی زندگی کو خوشحال سے خوشحال تر بنانے کے لئے جھو

دے۔

چونکہ یہ امت اسلامیہ کی صلاح و درستگی کا پہلا زینہ ہے اس لئے قرآن و حدیث میں اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے اور نہایت ہی بلیغ اور دلنشین انداز میں دنیا کی بے بضاعتی واضح کرکے اور آخرت کی حوروں کی اور وہاں کی بے پایاں ابدی نعمتوں کا ذکر کرکے یہ صفت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بطور مثال چند آیات و احادیث ملاحظہ ہوں

زین للناس حب الشھوت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب ۝ قل اؤنبئکم بخیر من ذلکم للذین اتقوا عند ربھم جنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا وازواج مطھرۃ ورضوان من اللہ واللہ بصیر بالعباد ۝

(آل عمران ۱۴-۱۵)

لوگوں کے لئے مرغوبات نفس۔ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں۔ بڑی خوشنما بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے۔ وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقوی کی روش اختیار کریں ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال

خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری

...والاولاد كمثل غيث ا
عجب الكفار نباته ثم
يهيج فتره مصفرا ثم
يكون حطاما وفي الا
خرة عذاب شديد و
مغفرة من الله ورضوان
وما الحيوة الدنيا الا
متاع الغرور (حديد ۲۰)

ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونیوالی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں

ایک مرتبہ رسولؐ نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈبو کر نکال لے (ریاض الصالحین باب زھد) یعنی جسطرح سمندر کے مقابلے میں انگلی میں لگے ہوئے پانی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اسی طرح آخرت کے مقابلے میں دنیا بھی بے وقعت ہے ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا میں کیسے عیش و عشرت کی زندگی گزاروں جب کہ صور پھونکنے والا انتظار میں کھڑا ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ صور پھونک دے

(ریاض الصالحین باب الخوف)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں ایک روز میں گوشت میں روٹی کے پکے ہوئے ٹکڑوں کو کھا کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے ڈکاریں آنے لگیں حضورؐ نے فرمایا "اپنی ڈکاریں بند کرو کیونکہ دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھرنے والے قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے"

حضرت جحیفہ نے اس کے بعد تمام عمر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور کم کھانے پر بھی یہ حال تھا کہ صرف ایک وقت کھاتے، صبح کو کھا لیتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو کھا لیتے تو صبح کو نہ کھاتے۔ (خاصان خدا کا خوف آخرت صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)

یہ اسی عقیدے کی پختگی کا اثر تھا کہ آپ نے ایک بار آخرت کی یاد دہانی کے ساتھ توجہ دلانے سے زندگی بھر دو وقت کھانا چھوڑ دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، سلمانؓ و ابوذر رضی اللہ عنہم کی زاہدانہ اور درویشانہ زندگیاں جن کے ذکر سے تاریخ اسلامی کے صفحات جگمگا رہے ہیں یا خدا کے حضور جوابدہی کے اسی گہرے احساس کا نتیجہ تھیں

یہ ہیں عقیدۂ آخرت کے وہ اہم اور مخصوص اثرات جن کے گرد بقیہ تمام اثرات گردش کرتے ہیں جس شخص کے اعمال و اشغال اور اخلاق و عادات میں یہ اثرات پورے طور پر جلوہ گر ہوں گے اس کے اندر بقیہ تمام اثرات خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص جاننا چاہے کہ آخرت پر اس کا عقیدہ کتنا پختہ ہے تو یہ دیکھے کہ اس کے اعمال و اخلاق اور عادات میں یہ اثرات کتنے زیادہ نمایاں ہیں جسقدر نمایاں ہوں اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اندر یہ عقیدہ اسی قدر پختہ اور جاگزیں ہے۔

اس امتحاں کے بعد ہے اک اور امتحاں
کتنی کٹھن ہے منزل ایماں نہ پوچھئے

ثروت جمال اصمعی

محمدؐ سچے رسول اور نبیٔ آخر الزماں ہیں

ہندومت کی قدیم کتاب پران کی پیشین گوئی

اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ تمام قدیم الہامی کتابوں اور مذہبی روایتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کی خوشخبری دی جاتی رہی ہے۔ حضورؐ کی ذات و صفات آپ کی جائے پیدائش، خاندان، والدین، آپ کی تحریک کے مختلف مراحل اور بالآخر اس کی بھرپور کامیابی تک کے بارے میں واضح اشارے تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد جب مدینہ کے یہودیوں کو رسول اللہؐ نے اسلام کی دعوت دی تو وہ اپنی نجی محفلوں میں کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی آخر الزماں ہے جس کی آمد کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہے۔ لیکن جب تک جان میں جان ہے ہم اسے مانیں گے نہیں کیونکہ اسے بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے اٹھایا گیا ہے۔ یہودی علماء کی اس ذہنیت اور ہٹ دھرمی کا پردہ چاک کرتے ہوئے قرآن میں نبی کریمؐ سے مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ تمہیں اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو۔ حقیقتاً بائبل میں حضورؐ کی دنیا میں آمد اور مشن کے بارے میں بڑی واضح تفصیلات تھیں۔ لیکن آج کہیں بھی اصل بائبل موجود نہیں۔ اس میں بے شمار تحریفیں ہو چکی ہیں اور آج اس کے ماننے والے بھی اس کی صحت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بائبل کے موجودہ نسخوں میں بھی حضورؐ کی آمد کے واضح اشارے موجود ہیں۔ خصوصاً انجیل برنا باس میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "محمدؐ" متعدد مقامات پر موجود ہے اور آپ کی ذات کے بارے میں ایسی درست تفصیلات ہیں کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰ کا مشن یہی تھا کہ ایک طرف شریعت موسوی کی تصدیق کریں اور دوسری طرف نبی آخر الزماں کی آمد کی خوشخبری دنیا کے لوگوں تک پہنچا دیں۔

ہندومت یہودیت اور عیسائیت سے بھی کہیں زیادہ قدیم ہے حتیٰ کہ اس بات کا بھی کوئی اندازہ نہیں کہ اس کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی تھی۔ اس مذہب کی ابتدائی شخصیات پر اسرار اور اوہام کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی تعلیمات بھی وقت کی دستبرد کا شکار ہو گئی ہیں اور وہ کتابیں بھی جو ان ہستیوں سے منسوب ہیں رشیوں کی طبع آزمائی کا نشانہ بنی ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی صاحب علم ان کے مستند ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اس کے باوجود ہزاروں سال پرانی ان کتابوں میں آج بھی نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی صاف اور صریح پیشین گوئیاں موجود ہیں جو کسی اور شخصیت پر چسپاں ہو ہی نہیں سکتیں۔

بھارت کے ممتاز پنڈتوں نے حال ہی میں منظر عام پر آنے والی ایک کتاب "کلکی" اوتار اور محمد صاحب میں اس حقیقت کا نہایت جرأت کے ساتھ برملا اعلان کیا ہے۔ کتاب کے مصنف وید پرکاش اپادھیا (ایم۔ اے) ہیں۔ آپ الہ آباد کی پریاگ یونیورسٹی میں سنسکرت کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ ان کی تحقیق ہے

[illegible] میرے ممتاز پنڈتوں نے نظرثانی کی ہے۔ اور یہ دونوں تائیدی نوٹ لکھے ہیں واضح رہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق بنی نوع انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے کلکی اوتار دنیا میں آئیں گے وہ تمام انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے رہنما بنا کر بھیجے جائیں گے اور پوری دنیا میں ان کی وجہ سے عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

ہندوستان کے ان نو ممتاز علماء کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی تک کلکی اوتار کی راہ دیکھ رہے ہیں وہ ایک ایسے انتظار کی کیفیت میں مبتلا ہیں جو کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ کلکی اوتار تو آج سے ۱۴ سو سال پہلے سرزمین عرب پر ظاہر ہو کر اور بحسن و خوبی اپنا کام انجام دے کر اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔

ان علماء کا دعویٰ ہے کہ کلکی اوتار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مختلف شخصیتیں نہیں۔ ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وید پرکاش اور ان کے ساتھی نے ہندوستان کی مقدس کتاب پران کے بہت سے حوالے نقل کئے ہیں جن میں سے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"کلکی اوتار عرب کی سرزمین پر عبداللہ
اور آمنہ کے گھر میں پیدا ہوں گے"

(۱) پران میں کہا گیا ہے کہ کلکی اوتار خدا کے آخری پیغمبر ہوں گے۔ جو تمام انسانی دنیا کی رہنمائی کے لئے بھیجے جائیں گے فاضل مصنف اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ یہ بات صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آتی ہے اور اسے مزید تقویت یوں ملتی ہے کہ کلکی اوتار کی پیدائش کی جگہ، تاریخ اور وقت اور ان کے والدین کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب کچھ پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ اوتار اور پیغمبر ہم معنی الفاظ ہیں۔

(۲) پران کی پیشین گوئی کے مطابق کلکی اوتار سمبل دیپ کے علاقے میں پیدا ہوں گے۔ یہ لفظ ہندوستان کی قدیم کتابوں میں سرزمین عرب کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ پرانوں میں پوری دنیا کو سات خطوں میں یا دیپوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً جمبو دیپ، شاک دیپ، سمبل دیپ وغیرہ اس تقسیم کے مطابق جزیرہ نمائے عرب سمبل دیپ میں واقع ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہیں پیدا ہوئے۔

(۳) پران میں کلکی اوتار کا نام وشنو بھگت درج ہے۔ وشنو کے معنی اللہ اور خدا کے ہیں۔ اور بھگت کے معنی غلام عبد یا بندے کے ہوتے ہیں۔ اس طرح وشنو بھگت کے معنی ہوئے خدا کا بندہ جسے عربی میں عبداللہ کہیں گے اور ٹھیک یہی رسالتمآب کے والد محترم کا نام ہے۔

(۴) کلکی اوتار کی ماں کا نام پران میں سوماتی بتایا گیا ہے جس کے معنی شانتی کی جگہ یا جائے امن کے ہیں جسے عربی میں "امنہ" کہیں گے اور ٹھیک یہی رسول خدا کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی ہے۔

(۵) پران کے مطابق کلکی اوتار کی گذر بسر کھجوروں اور اناروں پر ہوگی اور وہ اپنے ساتھیوں کو گناہوں اور برائیوں سے پاک کریں گے۔ یہ باتیں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح چسپاں ہیں۔

(۶) ہندوستان کی مقدس کتاب کے مطابق کلکی اوتار جس گھر میں پیدا ہوں گے وہ اس علاقے کی سب سے زیادہ محترم اور معزز شخصیت کا گھر ہوگا۔ یہ پیشین گوئی بھی رسول عربی پر پوری صادق آتی ہے۔ آپ مکہ معظمہ میں اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کے گھر میں پیدا ہوئے جو خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے عالم عرب کی معزز ترین شخصیت تھے۔

پرسورام انھیں غار میں تعلیم دیگا

(۷) کلکی اوتار کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں غار میں تعلیم دے گا۔ اور حضرت محمد نے غار حرا میں بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ سے حقیقت کا علم حاصل کیا۔

(۸) شیو کی جانب سے کلکی اوتار کو ایک برق رفتار

گھوڑا دیا جائے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سفرِ معراج کے موقع پر "براق" کی شکل میں سواری مہیا کی۔

(۹) کلکی اوتار اپنے ممتاز ترین چار پیروؤں کی مدد سے شیطان کو شکست دیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چار خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعاون سے سرزمین عرب سے شرک و بت پرستی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر کے شیطان کو شکستِ فاش دے دی۔

(۱۰) کلکی کو فرشتوں کے ذریعہ امداد مہیا ہوگی اور جنگِ بدر میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم اور ان کے ساتھیوں کی مدد کیلئے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کا ثبوت قرآن کی آیات سے ملتا ہے۔

(۱۱) حسن و وجاہت میں کلکی اوتار بے مثال ہوں گے۔ پران کی یہ پیشین گوئی بھی نبی اکرم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ سیرتِ طیبہ کی کتابوں میں سراپائے مبارک کی تفصیل اس کا بین ثبوت ہے۔

(۱۲) کلکی اوتار کا جسم نہایت معطر اور خوشبودار ہوگا۔ اور حضور اکرمؐ کے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ آپ کا جسم حتیٰ کہ پسینہ تک مشک بو تھا۔

(۱۳) کلکی اوتار مہینے کی ۱۲ تاریخ کو پیدا ہوں گے اور رسولِ خدا ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو اس دنیا میں تشریف لائے۔

(۱۴) کلکی اوتار عمدہ شہسوار اور شمشیر زن ہوں گے یہ بات بھی حضور اکرم پر صادق آتی ہے۔

نبی آخر الزماں کے بارے میں پنڈت وید پرشاد کی کتاب میں درج کی جانے والی پیشین گوئیوں میں سے یہ صرف چند ہیں۔ اور ان کی بنا پر پنڈت وید پرشاد اور ان کے ساتھیوں اور محققین پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "پران" میں کلکی اوتار کے نام سے جس ہستی کا ذکر ہے وہ پیغمبر عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور [illegible]

اس لئے جو لوگ اب تک پران کی پیشین گوئی کے مطابق کلکی اوتار کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں انھیں اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر لینا چاہئے۔

پنڈت وید پرشاد کی کتاب "کلکی اوتار اور محمد صاحب" کے اس تعارف کے بعد ریڈینس دہلی میں شائع ہونے والی "کالکی اوتار" نامی ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں پران کے حوالے سے کلکی اوتار کے بارے میں اسی قسم کی تفصیلات دی گئی تھیں اس کتاب سے ایک چھوٹا سا اقتباس حاضر ہے "اور جگت گرو (سرورِ عالم) وشنو بھگت اور سوماتی کے گھر میں پیر کے دن بیساکھ کی بارہ تاریخ کو طلوعِ آفتاب کے دو گھنٹے بعد پیدا ہوں گے۔ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے باپ کا انتقال ہو چکا ہوگا۔ اور ان کی ماں ان کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد دنیا سے رخصت ہو جائیں گی جگت گرو سنگل دیپ (سرزمین عرب) کی خاتون سے شادی کریں گے شادی کی تقریب میں ان کے چچا اور تین چچا زاد بھائی موجود ہوں گے۔ پرسورام (خدا) انھیں ایک غار میں تعلیم دے گا۔ غار سے واپسی پر وہ لوگوں میں اس علم کی تبلیغ کریں گے جو خدا نے انھیں دیا ہوگا۔ اس تبلیغ کے نتیجے میں ان کے رشتے دار ان سے سخت ناراض ہوں گے۔ انھیں سخت شدید تکلیفیں اور اذیتیں دی جائیں گی جس کی بنا پر وہ پہاڑ کی شمالی جانب کو "پرواز" کر جائیں گے لیکن کچھ عرصے کے بعد تلوار کے ساتھ واپس آئیں گے۔ اور شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ جگت گرو کے پاس روشنی سے زیادہ تیز رفتار ایک گھوڑا ہوگا جس کے اوپر بیٹھ کر وہ زمین اور سات آسمانوں کی سیر کریں گے۔

زیادہ تیز رفتار گھوڑے پر سات آسمانوں کی سیر کریں گے۔

"پران" کا یہ اقتباس محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایسا درست خاکہ ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ

کہا ہی نہیں جا سکتا کہ ہزاروں سال پرانی اس کتاب کی پیشین گوئیاں نبی اکرمؐ کے سوا کسی اور شخصیت کے لئے ہو سکتی ہیں۔ "شنو بھگت" دراصل عبداللہ کا اور "سوماتی" "آمنہ" کا سنسکرت ترجمہ ہے۔ سلل دیپ یعنی سرزمین عرب کی خاتون سے مراد ام المومنین حضرت بی بی خدیجہؓ ہیں جن سے شادی کے موقع پر ان کی پیشین گوئی کے مطابق حضور کے ایک چچا حضرت ابوطالب اور تین عم زاد حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ موجود تھے۔

مذکورہ غار واضح طور پر حرا ہی وہ غار ہے۔ جہاں رسولِ خدا پر نزول وحی کا آغاز ہوا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انتظام فرمایا۔ پہاڑ کی شمالی جانب پرواز واضح طور پر ہجرت مدینہ کا اشارہ ہے۔ پھر تلوار کے ساتھ واپسی اور فاتحانہ شہر میں داخلہ فتح مکہ کی پیشین گوئی ہے۔۔ روشنی سے زیادہ تیز رفتار گھوڑے اور اس پر بیٹھ کر سات آسمانوں کی سیر۔ براق اور سفر معراج کی کھلی پیشین گوئی ہے۔ درج بالا اقتباس میں حضورؐ کی پیدائش مہینے کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد بتائی گئی ہے۔ جبکہ حضورؐ طلوع آفتاب سے دو گھنٹے قبل دنیا میں تشریف لائے۔ پیشین گوئی اور واقعہ میں یہ اختلاف عرب اور ہندوستان کے طلوع آفتاب کے اوقات میں فرق کی وجہ سے ہے۔ مشرق میں ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں سورج پہلے طلوع ہوتا ہے اور عرب میں بعد میں۔ چنانچہ مکہ کے وقت کے مطابق نبی اکرمؐ اگرچہ سورج نکلنے سے دو گھنٹے پہلے دنیا میں تشریف لائے لیکن ہندوستان کے بعض علاقوں میں اس وقت سورج کو طلوع ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔

ہندوستان کے مستند عالموں اور محققوں کی طرف سے نبی کریمؐ کی حقانیت اور صداقت کا یہ اعتراف اور خود ہندومت کی مذہبی کتابوں سے اس کے ناقابل تردید ثبوت و شواہد کی فراہمی اس حقیقت کا ایک بین اظہار ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم انسانیت کے قائد و راہبر ہیں۔ ان ہی کی پیروی انسانیت کو ترقی و فلاح اور نجات و کامرانی کی حقیقی منزل تک پہونچا سکتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو پہلے ہی محمد عربیؐ کے امتی ہونے کی سعادت سے بہرہ مند ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالیں جس کی تعلیم رسول خدا نے دی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر شاید ان سے بڑھ کر بد نصیب کبھی کوئی نہ ہو کہ جب وہ میدان حشر میں شفاعت کی امید لئے رحمت عالم کے پاس پہونچے۔ تو ان کی بے ایمانیوں اور سیاہ کاریوں کے سبب حضورؐ انھیں پہچاننے اور اپنا امتی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اور پھر ہمیشہ کا عذاب ان کا مقدر بنے۔

حضورؐ کی صداقت کا یہ اعتراف ہم مسلمانوں کے لئے ایک اور پہلو سے بھی نہایت اہم اور توجہ طلب ہے۔ ایک مسلمان پر صرف اپنی ہی اصلاح کی ذمہ داری نہیں اس کے عقیدے کا تقاضا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو حسب استطاعت نجات و فلاح کی راہ کی دعوت دے غیر مسلموں کی اپنی مذہبی کتابوں میں پیغمبر اسلام کے بارے میں ایسی پیشین گوئیاں انھیں اسلام کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ●

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔ (بخاری مسلم۔ حذیفہؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم میں سب سے ہلکا اور معمولی عذاب یہ ہوگا کہ آدمی کے دونوں پیر تلے دو چنگاریاں رکھ دی جائیں گی جس سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جیسے چولہے پر رکھی دیگچی کھولتی ہے۔ (بخاری مسلم۔ نعمان بن بشیرؓ)

طارق فارقلیط فلاحی

اسلامی تحریک کی عالمگیر بنیادیں

خاموش فضا میں ایک ارتعاش پیدا ہوا۔ اور اہل مکہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ یا صباحاہ کی پرکشش مگر ہلا دینے والی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک پیکر اخلاق کوہ صفا پر کھڑا یہ آواز لگا رہا تھا یہ خطرے کا سگنل تھا جو اچانک بجا دیا گیا تھا۔ لوگ خیالوں کے سمندر میں غلطاں پیچاں کوہ صفا کے قریب جمع ہو گئے۔ خیالات پانی کے بلبلوں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے مگر اصل خطرہ اب بھی نگاہوں سے مستور تھا۔

پہاڑی پر کھڑا شخص کا چہرہ خطرہ کی شدت کے احساس سے قدرے سرخ ہو گیا تھا وہ نہایت ہی پرسوز مگر دل نشیں آواز میں مجمع سے مخاطب ہوا "لوگو! اگر میں کہوں کہ پہاڑی کے اس پار ایک بڑا لشکر ہے وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تمہیں میری اس بات کا یقین ہوگا۔" پھر جیسے سارا مجمع بول پڑا ہو۔ کیوں نہیں۔ تم تو صادق ہو۔ ہمیشہ سچ بولتے ہو امین ہو۔ اگر تمہاری بات پر ہم یقین نہ کریں گے تو دنیا میں کوئی معتبر نہ ہوگا۔ تم تو صداقت اور امانت کا اعلیٰ نمونہ ہو۔

"خدائے واحد کے پرستار بن جاؤ، وہی بندگی کے لائق ہے بتوں کو پوجنا چھوڑ دو ورنہ سخت اور دردناک عذاب سے دوچار ہو گے۔"

یہ تھا وہ حقیقی خطرہ جس کو کہنے والے نے چند جملوں میں ادا کر دیا تھا۔ اور عوام مبہوت رہ گئے تھے۔ یہ بھی کوئی خطرہ ہے۔ ایک طرف سے آواز آئی۔ کیا تم نے اسی لئے ہم کو بلایا تھا

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ عارضی خطروں کو بروقت محسوس کرنے والی نگاہیں حقیقی خطرے سے بالکل غافل رہی ہیں۔ ان کا اجتماعی دماغ دشمنوں سے لڑنے کے لئے اسکیمیں بناتا ہے۔ پلان تیار کرتا ہے مگر اس خطرے کی اہمیت کو کبھی محسوس نہیں کرتا۔ جیسے یہ کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔

انسانیت سیدھے راستہ پر چلتے چلتے بھٹک جاتی ہے اور کفر و شرک کی پگڈنڈیوں میں جا پڑتی ہے۔ اسی میں وہ چکر کاٹتی رہتی ہے اور اپنی منزل تلاش کرتی رہتی ہے۔ مگر اپنی منزل نہیں پاتی۔ جیسے پتنگ اپنی ڈور سے کٹ گئی ہو یا کارواں اپنی منزل سے بھٹک گیا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ انسان کا رشتہ اس کے خالق سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ پتنگ کو اس کی ڈور سے ملانا چاہتے ہیں۔ اور کارواں کو اپنی منزل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ اپنی تحریک کا آغاز انھیں الفاظ سے کیا ہے۔ اعبدوا اللہ وحدہٗ خدائے واحد کے پرستار بن جاؤ یہی ان کی تحریک کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور محور بھی۔ انسانی زندگی کی ساری کڑیاں اسی نقطہ سے جا کر مل جاتی ہیں اور انسانی فکر کے سارے چشمے اسی نقطے سے پھوٹتے ہیں۔ زیادہ کھلے الفاظ میں ہم اس کی تشریح یوں کر سکتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی

شریک کار نہیں - وہی حاکم اور منتظم ہے۔ انسان اس کا خلیفہ، نائب اور ادنیٰ بندہ ہے - رسول بندہ اور آقا کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے جو بندے کو اس کے رب سے جوڑتا ہے اور خلیفہ اور نائب تک اس کے آقا اور فرمانروا کے احکامات پہنچاتا ہے اور ان کے تعلق اور اختیارات کو واضح کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا نقطہ ہے جو زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے۔ یہ ہر فرد کو اپیل کرتا ہے خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو اور کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ عربی ہو یا عجمی کالا ہو یا گورا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلامی تحریک کا آغاز اسی نقطے سے کیا اور چودہ صدیوں کے بعد بھی ان کی برپا کی ہوئی تحریک اسی کے گرد گھوم رہی ہے۔

اس طرح آپ ان تمام لوگوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ جنھیں دنیا دانشور کہا کرتی ہے کیونکہ ایسے تمام لوگوں نے اپنی تحریک کو وقتی مصلحتوں اور عارضی بنیادوں پر قائم کیا۔

تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی تحریک نظر نہیں آتی جس کی بنیادیں فکر و نظر کے لحاظ سے عالمگیر ہوں بلکہ ہر تحریک وقتی اور عارضی مسائل کو لے کر اٹھتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ہم اسلامی تحریک اور حضور اکرمؐ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس تحریک کو پیش کرنے والا اور خود یہ تحریک جتنی پاکیزہ خیالات کی حامل ہے اتنی اس کی فکری بنیادیں بھی مضبوط ہیں چنانچہ حضور اکرمؐ نے اس کو قوم وطن کے حصار میں محصور کرنے کے بجائے تمام انسانیت کیلئے ایک نقطۂ اتحاد بنا دیا آپ نے تمام انسانیت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کلکم بنی آدم و آدم من تراب۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم خاک کا پتلا ہے۔ یہ دوسری عالمگیر بنیاد ہے جس پر شرق و غرب کے انسان جمع ہو سکتے ہیں۔

ایک سپریم پاور کا تصور اور متعلقہ افراد کا اس کے سامنے جوابدہی کا خیال کسی بھی تحریک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر کسی تحریک کا داخلی اور خارجی ڈھانچہ مضبوط نہیں ہو سکتا اور وہ تحریک ہمیشہ انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتی ہے۔ یہی چیز ہے جس کے فقدان کی وجہ سے دنیا کی تمام تحریکیں داخلی اور خارجی انتشار کی شکار رہیں اور اسی تصور کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے امت مسلمہ بھی اپنا مقام کھو چکی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقطہ کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کو تحریک کی بنیادوں میں شامل کیا اور ہر ہر مرحلہ میں اپنے سروکاروں (ساتھیوں) کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اس ساری کائنات کو خدا کی ملک قرار دیا (للّٰہ ما فی السمٰوٰت والارض) اور ہر انسان کو اس کے اعمال و افعال کا جوابدہ اور ذمہ دار ٹھہرایا (کل نفس بما کسبت رہینۃ، فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ) چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کے زمانہ میں یہ تصور اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ تحریک اسلامی کے افراد ایک جان دو قالب ہو گئے تھے۔ اور بنیان مرصوص بن کر ابھرے تھے۔ اسی چیز نے ان کے اندر وہ قوت اور شان پیدا کی تھی کہ بڑی بڑی طاقتیں بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں۔

> حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی کام پر قسم کھائے، پھر اسکے خلاف اسے بہتر معلوم ہو تو قسم کا کفارہ دے اور جو بہتر معلوم ہو اس پر عمل کرے" (موطا امام مالک)

تحریر الشیخ محی الدین حسن القضاۃ — ترجمہ محمد عارف اعظمی

عالم اسلام اور عالم نصرانیت

زیر نظر مضمون جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک استاد شیخ محی الدین حسن قضاۃ صاحب کے محاضرات سے ماخوذ ہے۔ استاد موصوف کے محاضرات کتابی شکل میں "صفحات من حاضر العالم الاسلامی" کے عنوان سے جامعہ اسلامیہ کے پریس سے شائع ہو چکے ہیں۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے: (مترجم)

علماء اسلام کے نزدیک زمین کی صرف دو قسمیں ہیں ۱۔ دار اسلام ۲۔ دار حرب۔ اول الذکر زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نظام و قانون کی سرداری و سربراہی ہو اور اسلامی حدیں نافذ کی جاتی ہوں۔ اس کے علاوہ جہاں بھی اسلامی شریعت کی حکمرانی نہ ہو وہ دار حرب کہلاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت پورے کرۂ ارض پر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مکمل طور پر اسلامی اصول و قواعد کے مطابق نظام حکومت چل رہا ہو، البتہ بعض ممالک ایک حد تک اپنے اپنے طور پر اسلامی تعلیمات اپنائے ہوئے ہیں اور کئی ایک جمعیتیں از سر نو اسلامی نظام کو بحال کرنے اور اسکو نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہیں لیکن موجودہ دور میں اسلامی ملک سے مراد ہر وہ ملک سمجھا جاتا ہے جہاں مسلم اکثریت ہو یعنی ہر وہ ملک جہاں مسلمان ۵۰ فیصد سے زائد ہوں۔ حالانکہ صحیح معنوں میں اسلامی ملک سے مراد وہ ملک ہے جس میں اسلامی فکر و عقیدہ کی حکمرانی ہو اور وہ ملک حد و سرحد کی پیمائش سے بے نیاز ہے، اس طرح وہ ممالک جہاں نصرانیت کے ماننے والوں کی اکثریت ہے عالم نصرانیت سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

عالم اسلام

محل وقوع اور اسکی اہمیت ۔ اس کا رقبہ مشرق میں سمندر چین سے لے کر مغرب میں بحر اوقیانوس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ ایشیا اور افریقہ میں نہایت کشادہ رقبے میں واقع ہے۔ تقریباً ۳ کروڑ مربع کلومیٹر سے زیادہ

زمین یعنی زمینی خشکی کے ایک چوتھائی حصہ پر اس کے ممالک پھیلے ہوئے ہیں۔

ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں ہی براعظموں کے مواصلاتی اور مواصلاتی نظام میں حائل ہونے کی وجہ سے عالم اسلام نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں بحر ہند بھی شامل ہے جو زمانۂ قدیم سے ملاحی اور کشتی رانی کا مرکز رہا ہے۔ بحر احمر جو ایشیا کو افریقہ سے جوڑتا ہے اور بحر متوسط جو تینوں براعظموں کے بیچ وسط میں واقع ہے بھی عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح عالم اسلام تجارتی، سیاسی اور فوجی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔ نیز اس میں بحر اطلانٹک بھی آتا ہے جو اس وقت ساری دنیا میں کشتی رانی و جہاز رانی کا سب سے زبردست مرکز مانا جاتا ہے۔

اسی طرح عالم اسلام میں کئی بہت سے اہم تنگ راستے اور آبنائیں ہیں جیسے کہ آبنائے جبل طارق (جبرالٹر)، باب المندب، بوسفورس، دردانیل، ملاقہ اور نہر سویز وغیرہ۔

وسیع رقبہ ہونے کی وجہ سے اس عالم میں مختلف قسم کے قبائل اور نہریاں ہیں نیز اس میں کافی کاشتکاری کی جاتی ہے کیونکہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ قابل کاشت ہے۔ اس کے سینے میں قدرت کے ایسے بیشمار خزانے موجود ہیں جو نباتاتی، حیواناتی اور معدنیاتی وغیرہ بہت ساری ان ضرورتوں کو پوری کرنے کے لئے کافی ہیں جو باہر سے حاصل کی جاتی ہیں اور مختلف صنعتی کاموں میں استعمال ہو سکتی ہیں۔[1] خاص طور پر موجودہ پٹرول کے چشمے جنکا بیشتر حصہ عالم اسلام میں ہے۔ اس طاقت کے ذریعہ عالم اسلام ان تمام اہم سرگرمیوں پر پابندی عائد کر سکتا ہے جنکا دار و مدار صرف اسی پر ہے۔[2]

عالم اسلام کی آبادی

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہے جن میں تقریباً ۷۰ کروڑ افراد عالم اسلام — عرف کے مطابق — میں بستے ہیں۔ اور ۳۰ کروڑ سے زائد زمین کے مختلف حصوں میں اقلیت کی

---

(۱) عالم اسلام میں اس وقت ۴۰ کروڑ ایکڑ زمین کاشت شدہ ہے جس کا تناسب عالمی پیمانہ پر کاشت شدہ زمینوں میں ۱۱ فیصد ہے اور زمین کے کافی حصوں پر قابل کاشت ہونے کے باوجود ابھی تک زراعت نہیں کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان حصوں پر کاشت کرکے اپنی غذا کا سامان بجائے اس کے کہ مختلف ملکوں سے طرح طرح کی بیجا شرطوں پر حاصل کرتے ہیں خود فراہم کریں۔ اسی طرح عالم اسلام میں کروڑوں کی تعداد میں جانور ہیں لیکن عالمی پیمانہ پر انکا تناسب کم ہے چنانچہ اس میں ۱۰ فیصد گائیں، ۲۴ فیصد بکریاں، ۲۰ فیصد بھیڑیں اور ۷۲ فیصد اونٹ ہیں۔ مچھلیوں کے شکار کا تناسب کافی کم صرف ۶ فیصد ہے۔ معدنیات کا اتنا کافی ذخیرہ موجود ہے جو موجودہ انکشاف کے مطابق جدید سائنسی اور ٹیکنالوجی امور میں زبردست کارنامہ انجام دے سکتا ہے، اور عالم اسلام کو موجودہ بڑی طاقتوں کے تصادم سے بچاؤ کا بھی سامان فراہم کر سکتا ہے۔

(۲) عالم اسلام میں عالمی سطح پر ۶۵ فیصد پٹرول اور ۳۵ فیصد گیس کا ذخیرہ موجود ہے۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "عالم الاسلامی" مولفہ محمود شاکر اور مجلہ "الامۃ" عدد ۷، سال اول۔

شکل میں ہیں۔ (۱) مسلمان زمین پر بسنے والے تمام انسانوں میں جن کی مجموعی تعداد تقریباً ۵ ارب ہے، ۲۰ فیصد ہیں۔ مختلف قسم کے خاندان و قبائل کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے ان میں عربی، فارسی، ترکی، ہندوستانی، ملایوی اور افریقی ہر طرح کے لوگ ہیں۔ اسی طرح کالے، گورے اور سرخ رنگ کے لوگ بھی ان میں ہیں۔ کیونکہ اسلام ساری انسانیت کے لیے یکساں طور پر آیا ہے۔ چنانچہ دین فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ہر طرح کے معاشرے کے قابل ہے اور اسلامی وحدت بھی یہی کہتی ہے کہ سارے مسلمان جاہلی عصبیت کو جو کہ عداوت و دشمنی اور فتنہ و فساد کی زبردست محرک ہے، چھوڑ کر اسلامی عقیدہ سے چمٹ جائیں۔ سارے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی سے افضل و برتر نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑھا ہوا ہو۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

زبان اور حکومت

ابتدائی عہد میں تقریباً تمام اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کی زبان عربی تھی کیونکہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھنے کے لیے سارے مسلمانوں کو یہ زبان سیکھنے کی ضرورت پیش آتی۔ یہی وجہ تھی کہ تمام اسلامی ملکوں میں علم و ادب، تہذیب و تمدن اور تصنیف و تالیف کی زبان عربی ہو گئی اور اسی طرح عام بول چال اور معاملات میں بھی عربی زبان ہی استعمال ہونے لگی۔

لیکن جب مسلمانوں میں دینی جذبہ و حماست کم ہونے لگی، ان میں جہالت پھیلنے لگی اور عصبیت کی بنا پر پھر قومی نعروں کی صدا دوبارہ ہر طرف سے اٹھنے لگی تو عربی کی طرف لوگوں کی پیش قدمی اور اس سے دلچسپی کم ہو گئی اور اکثر و بیشتر لوگ اپنی اپنی قومی اور مقامی زبانوں کی طرف تیزی سے مڑنے لگے لیکن اس کے باوجود عربی زبان جو کہ دین اور علوم اسلامیہ کی زبان ہے بلاد عربیہ میں مستقل بولی جاتی رہی نیز مختلف ممالک اور داعیان الی اللہ کا طبقہ ہمیشہ عربی بولتا اور سمجھتا رہا۔

اسی طرح خلافت اسلامیہ جو کہ تمام مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور سارے اسلامی ملکوں کے حق میں ایک زبردست قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی شخصی اغراض اور باہمی فتنہ و فساد کے باعث رفتہ رفتہ کمزور ہو گئی اور اسلام دشمن افراد کے حق میں، خواہ وہ غیر مسلم ہوں یا خود اسلام کے نام لیوا منافقین، اس ناقابل تسخیر قلعہ کو مسمار کر دینا اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کے اس علم کو سرنگوں کر دینا آسان ہو گیا۔ چنانچہ خلافت کا گلا گھونٹنے کے بعد صلیبیوں اور صہیونیوں نے مسلم ممالک پر خوب جی کھول کر یلغار کی اور جہاں تک ہو سکا مسلم مقدسات کو پامال کیا۔ سب سے بڑا سانحہ جو خلافت ختم ہونے کے بعد وجود میں آیا وہ سرزمین فلسطین پر یہودیوں کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ ان ملعونوں نے مسلمانوں کے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ کو جلانے کی کوشش کی اور ہمیشہ ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ یروشلم (بیت المقدس) یہودیوں کا مستقل پایۂ تخت بن جائے۔

اس کے برعکس مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود زمین کے مختلف حصوں میں پراگندہ و منتشر ہیں۔ دنیا کی کوئی حکومت یا جگہ ان کے وجود سے خالی نہیں ہے ان کی بہت سی مستقل حکومتیں بھی ہیں۔ ان کی ۴۴ ایسی حکومتیں ہیں جو تنظیم اتحاد اسلامی کی رکن ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں مسلم اکثریت ہے

(۱) عالم اسلام کے افراد تقریباً ۵۵ کروڑ ایشیا میں، ۲۰ کروڑ افریقہ میں اور دو کروڑ یورپ میں ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن کمیونزم یا اسی طرح کے غلط قوانین کے زیر تسلط ہیں۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہ اسلامی حکومتیں باہم حکومتی اور سیاسی سطح پر متفق و مرتبط نہیں ہیں کہیں بادشاہت ہے تو کہیں جمہوریت، کہیں امارت ہے اور کہیں سلطنت۔ کچھ حکومتیں نظام اسلامی کی تنفیذ کی دعویدار ہیں اور بعض علی الاعلان اشتراکیت یا سوشلزم کی تابع ہیں۔ بعضے مغرب (امریکہ) کے ساتھ منسلک ہیں اور چند ایک مشرق (روس) کے ساتھ اور کچھ غیر جانبداری کی قائل ہیں، حالانکہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں جن کا شعار و نظام اسلام ہے۔ انھیں چاہیئے کہ باہم متفق و متحد ہو کر ایک خلیفہ کا انتخاب کریں جو ان کے مابین قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق حکومت کا نظم و نسق چلائے اور تمام مسلمان اسکی اطاعت و اتباع کریں۔

الحمد للہ اب مسلمانوں کو اپنی پسماندگی کا احساس ہو رہا ہے۔ انھیں اپنے تفرق و تشتت کا رنج اور اتفاق و اتحاد کی اہمیت محسوس ہو رہی ہے۔ اس وقت عالم اسلام میں وحدت و یگانگت کی لہر چلنا شروع ہو گئی ہے۔ اکثر نوجوانوں اور تعلیم یافتہ افراد میں زندگی اور بیداری پائی جا رہی ہے۔ یہ لوگ تمام مسلمانوں کو از سر نو دین کی طرف مراجعت کی دعوت دے رہے ہیں۔ اسی طرح کئی ایک اسلامی ملکوں نے مختلف ایسی تنظیمیں بنائی ہیں جو عالم اسلام کو اتحاد و تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ تفاہم کی طرف بلا رہی ہیں۔ یہ اسلامی تنظیمیں مختلف اسلامی ملکوں میں ایسی کانفرنسیں کرتی ہیں جن میں سیاسی امور پر اہم مذاکرات ہوتے ہیں۔ نیز سائنس، ٹیکنالوجی، اسلامی معیشت، تعلیم و تربیت، زراعت و صنعت اور نشر و صحافت جیسے اہم معاملات بھی خصوصی اہمیت کے ساتھ زیر غور ہوا کرتے ہیں۔ حکومت سعودی عرب نے بھی "رابطۃ العالم الاسلامی" یعنی عالمی مسلم لیگ کے نام سے ایک ادارہ کھولا ہے جس کا ہیڈ آفس مکہ مکرمہ میں ہے۔ اس ادارہ کا مقصد مسلمانان عالم میں تعاون و تفاہم کی فضا پیدا کرنا ہے۔

عالم نصرانیت

اس عالم کی بیشتر آبادی یورپ اور امریکہ میں واقع ہے۔ اس عالم کا رقبہ تقریباً وہی ہے جو زمانہ قدیم میں رومیوں کے عہد حکومت میں تھا۔ رومیوں کی حکومت یونان (اغریق) کے مابعد وجود میں آئی اور رومیوں نے انہی سے فلسفہ اور شرک و بدعات اخذ کیا۔ چنانچہ رومیوں کے دور حکومت میں نصرانیت پر شدید بت پرستی کا غلبہ ہوا اور رفتہ رفتہ نصرانیت حکومت روما میں پھیلنے لگی حتیٰ کہ شہنشاہ قسطنطین نے ۳۰۵ عیسوی میں تخت نشین ہونے کے بعد حکومت روم کو باقاعدہ نصرانیت کا تابع بنا دیا لیکن درحقیقت یہ حکومت نصرانیت کی تابع تو ہرگز نہ ہوئی البتہ نصرانیت بت پرستی کی شکار ضرور ہو گئی (۱)

عالم اسلام سے مخالفت

جب اسلام صبح صادق کی طرح نمودار ہوا تو اس کے بالمقابل سلطنت روم کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ مسلمانوں نے شام، عراق، مصر اور شمالی افریقہ پر فتح حاصل کر کے نصرانیت کو ان ملکوں سے نکال باہر کیا جہاں وہ عرصہ دراز سے چلی آ رہی تھی۔ اسلامی فوج کا عالم نصرانیت پر یلغار کرتی ہوئی اسپین تک جا پہنچیں اور اس کو فتح کر کے ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کی بنیاد

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا) مسلم اقلیت ۱۰ کروڑ ۶۰ لاکھ ایشیا میں، ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ افریقہ میں، ۳۰ لاکھ یورپ میں، ۲۰ لاکھ امریکہ میں اور ۶ لاکھ آسٹریلیا میں ہے

(۱) حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو خصائص التصور الاسلامی۔ مولفہ سید قطب شہید۔

ڈالی۔ پھر مزید آگے "بحر اتیہ" تک ان کی یلغار ہونے لگی جو کہ فرانس کے قلب تک واقع ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی لشکر قسطنطنیہ جو کہ بیزنطینیوں کا پایہ تخت اور مرکز تھا، کے دروازہ پر دستک دینے لگیں اور بالآخر محمد الفاتح کے عہد میں اس کو بھی فتح کر لیا۔

اس عظیم الشان انقلاب کے بعد عالم نصرانیت یورپ میں محصور ہو کر رہ گیا لیکن مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کی آگ میں سلگتا رہا اور ان کے خلاف موقع تلاش کرتا رہا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب مسلمان کمزور ہونے لگے تو اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور صلیبی لشکر مرتب کئے لیکن مسلمانوں کے مقابل منہ کی کھائی مگر پے در پے شکست کھانے کے باوجود اس عالم نے ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنی کوششوں میں لگا رہا۔ مسلمانوں کے خلاف حسد و انتقام کی آگ نیز مسلمانوں کی وسیع و عریض زمین اور ان کے بیش بہا مال و متاع کے حصول کی طمع اسے چین نہیں لینے دیتی تھی۔

سب سے پہلے اس عالم کو اندلس میں کامیابی حاصل ہوئی جب اس نے دسویں صدی ہجری میں اس پر حملہ کر کے وہاں کی مسلم حکومتوں کا خاتمہ کیا اور اس کی جگہ پر اسپین اور پرتگال کے نام سے دو حکومتیں بنائیں۔ اس کامیابی کے بعد عالم اسلام سے ٹکرانے کے لیے اس میں مزید حوصلہ بڑھ گیا۔ عالم اسلام پر غالب ہو جانے کی خواہش نے اس میں ایسی روح پھونک دی تھی کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اسی جذبہ کے تحت رواں دواں نظر آنے لگا۔ نئی نئی جغرافیائی معلومات کی کوششیں اور ہندوستان تک آسانی پہونچنے کے لئے مناسب بحری راستے کی تلاش اسی بنیاد پر شروع ہوئیں۔ کولمبس بھی اسی جذبہ کی بنیاد پر ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا مگر راستہ بھول کر امریکہ پہونچ گیا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے عالم نصرانیت نے حتی الامکان مادی برتری کی کوشش کی اور مختلف قسم کے ہتھیار ایجاد کئے جو جا بجا استعماری جنگوں میں استعمال ہوئے۔

عیسائی مشن اور استشراق

دور حاضر کی صلیبی اور صیہونی جنگوں میں عالم نصرانیت نے مطلق ہتھیار اور فوجی قوت پر ہی اکتفاء کیا بلکہ اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں استشراق اور غزو فکری جیسے نئے اور معنوی ہتھیار استعمال کئے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسلام ایسے عقیدے کا نام ہے جس کو ہتھیاروں کے ذریعہ مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے انھوں نے بھرپور کوشش کی کہ اس عقیدہ کی ٹھوس اور مضبوط دیواریں متزلزل کر دی جائیں تاکہ اسلام کے اس ناقابل تسخیر قلعہ کو بآسانی تباہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے عیسائی مبلغ مشنریاں تو کافی پہلے ہی وجود میں آچکی تھیں، البتہ استشراق اور غزو فکری جیسے خطرناک اور مہلک عناصر کچھ بعد میں وجود پذیر ہوئے۔ یہ عناصر درحقیقت فوجی قبضہ اور سیاسی نفوذ کے مقدمے اور تمہیدیں ہوا کرتے ہیں۔

عیسائی تبلیغی مشن کا آغاز دسویں صدی ہجری میں ہوا رفتہ رفتہ یہ مشن ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اسکی مستقل کئی ایک تنظیمیں اور کافی مراکز قائم ہو گئے۔ چنانچہ اس صدی (انیسویں) کے ابتداء سے اب تک اس مشن کے تحت مختلف کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں پروٹستانی کلیساؤں کی جانب سے لوزان (سوئیسرا) میں "نک گری" کے زیر صدارت ایک کانفرنس ہوئی۔ "نک گری" پروٹستانی مسلک سے تعلق رکھتا ہے اور تیس برس تک پاکستان میں عیسائی مشن کے تحت کام کر چکا ہے۔ مذکورہ کانفرنس میں یہ اقتراح پیش کی گئی کہ "عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کو عیسائی بنانے" کے موضوع پر شمالی امریکہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے چنانچہ حسب پروگرام "کولوراڈو" میں ۱۹۷۸ء میں کانفرنس ہوئی جس

سے زائد دو سو کی تعداد میں نمائندے شریک ہوئے جو مختلف یونیورسٹیوں، کلیساؤں اور پروٹسٹانٹ مشن کے اہم اور فعال ارکان تھے۔ اس میں ۴۰ مقالے پڑھے گئے جن میں عالم اسلام کے تمام ملکوں حتیٰ کہ مسلم اقلیات والے ملکوں میں بھی آئندہ کے نئے نظری اور عملی پروگرام اور خاکے پیش کیے گئے تھے۔" مک کری "اپنی کتاب "انجیل اور اسلام" میں اس کانفرنس کے متعلق لکھتا ہے:

اس کانفرنس نے جو اہم پروگرام مرتب
کئے ہیں وہ نہایت خفیہ رکھے جائیں گے کیونکہ
وہ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔"

اس کانفرنس کے منصوبوں پر عمل کرنے کے لیے ایک ارب ڈالر کی رقم منظور کی گئی جو اکٹھی کر کے امریکہ کے ایک بڑے بینک میں جمع کر دی گئی۔ اس کانفرنس نے عملی طور پر "پیلی زویمر اسکول" کھول کر اپنے پروگرام کا آغاز کیا۔ اس اسکول کا ڈائریکٹر "مک کری" ہے۔ نیز ایک ادارہ برائے تعلیم و نشریات کھولا گیا۔ یہ دونوں ادارے کیلی فورنیا میں ہیں اور اب تک وہاں سے کئی کتابیں اور مختلف مقالے نشر ہو چکے ہیں۔ ان دونوں اداروں میں عیسائی مبلغین کی ٹریننگ اور تربیت ہر اس ملک کے لحاظ سے کی جاتی ہے جہاں اس کو مستقبل میں کام کرنا ہوتا ہے۔(۱)

درحقیقت عیسائی مذہب کی تبلیغ کے مشن کا مقصد محض یورپ کی خدمت اور اسلامی ملکوں میں اس کے لئے خیر خواہی رہی ہے اور اب بھی ہے جس کا محرک سابقہ صلیبی جنگی دشمنی رہا ہے۔ عیسائی مشن کی حقیقت کو سمجھنے کیلیے "مسٹر زویمر" جو کہ اس مشن کا زبردست لیڈر اور قائد تھا، کی ایک اہم تقریر کا کچھ حصہ نقل کرنا کافی ہوگا۔ یہ تقریر بیت المقدس کی ایک کانفرنس میں کی گئی جو ان دنوں منعقد ہوئی تھی جب فلسطین میں جنگ عظیم کے بعد برطانیہ رفاہ عامہ کے نام پر حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا۔ "زویمر" نے اپنے مشن پر کام کرنے والے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت جتنے بھی مسلمانوں نے نصرانیت کو قبول کیا ہے وہ حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں تھے بلکہ یہ لوگ مندرجہ ذیل تین قسموں میں کسی ایک سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۔ یہ لوگ معاشرے کے گرے پڑے لوگ تھے جن کو اسلام کی حقیقت نہیں سمجھائی گئی تھی۔

۲۔ یا یہ اس قسم کے لوگ تھے جن کے نزدیک مذہب کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ مال و رزق کا حصول ان کا مذہب ہے کیونکہ یہ لوگ فقر و فاقہ میں گھرے ہوئے نہایت تنگ دستی کی زندگی گزار رہے تھے۔

۳۔ یا یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ اپنی شخصی ضرورت اور ذاتی مقصد کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ عیسائی مشن کا وہ مقصد جس کے لئے مسیحی ممالک نے اس کو پروان چڑھایا ہے یہ نہیں ہے کہ "ممالک محروسہ" میں مسلمانوں کو نصرانی بنا دیا جائے کیونکہ اس صورت میں انکو رشد و ہدایت اور عزت و تکریم دینا ہوگا بلکہ تمہاری غایت یہ ہے کہ انکو مذہب اسلام سے دور اور لاتعلق کر دو اور یہ کوشش کرو کہ ان کا اللہ کی ذات سے کوئی تعلق نہ رہ جائے اور ان سے اخلاق جو کہ ہر قوم کا زیور وجوہر ہے، چھین لو۔ یقین جانو اگر تم یہ کام سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے تو

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں مجلہ الاعتصام عدد ۵-۶، سال ۴۴

اسلامی ملکوں پر فتح یاب ہونے والی فوج کے
پہلے دستے تمہیں ثابت ہوں گے۔ یہ وہ فریضہ
ہے جو تمہارے آباؤ اجداد گذشتہ چھ صدیوں
سے ادا کرتے آرہے ہیں۔ اس نیک کام کے
کرنے پر ہم اور مسیحی حکومتیں بلکہ دنیا کے
تمام نصرانی تم کو مبارکباد پیش کرتے ہیں
ہم نے انیسویں صدی کے اوائل سے اب تک
اسلامی ملکوں میں تعلیمی نصاب و مناہج پر اپنے
پنجے گاڑ دیئے ہیں۔

یہ ہے وہ حقیقت جس کے لیے عیسائی مشن کام کر رہا ہے حالانکہ اگر مشن کا مقصد خالص نصرانی مذہب و عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت اور دین و اخلاق کی خدمت ہوتا تو اس مشن اور اس خدمت کے زیادہ حقدار خود یورپ کے لوگ ہیں کیونکہ وہ لوگ نصرانیت سے کوسوں دور اور نصرانی اخلاق سے گریزاں ہیں۔ لندن یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ اور علم النفس کے رئیس استاد جوڈ کا کہنا ہے کہ میں نے دس ایسے طالبعلم لڑکے لڑکیوں سے سوال کیا جو پختہ عمر کے تھے کہ بتاؤ تم میں کون حقیقی نصرانی ہے؟ صرف تین طالبعلموں نے اثبات میں جواب دیا۔ سات لڑکوں نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلے پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ بقیہ دس لڑکوں نے صراحتاً یہ جواب دیا کہ وہ مسیحیت کے دشمن ہیں۔"

یہ واقعہ عالم نصرانیت کے تعلیم و تہذیب یافتہ افراد کی حالت کا صحیح عکاس ہے۔ اور اس سے ان کے مابین مسیحیت کے متبعین اور منکرین کے اعداد و شمار کا صحیح اور بہتر طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس واقعہ کا، عیسائی مشن کی سرگرمیوں کا، ان کے مراکز و سنٹرز کی کثرت اور ان کے بے شمار وسائل و ذرائع کا جو بیجا فائدہ ممالک میں استعمال ہو رہے ہیں اگر کوئی بھی عقلمند شخص موازنہ کرے تو اس پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان مشنریوں اور سرگرمیاں کے پیچھے استعمار کے خفیہ ہاتھ کام کر رہے ہیں جو ان تحریکوں کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے طے شدہ پروگرام کے مطابق چلا رہے ہیں تاکہ یہ تنظیمیں جہاں بھی سرگرم عمل ہیں وہاں کی زمین اور باشندوں کو استعمار اور قبضہ کے لیے ہموار و استوار کریں۔ اور یہ طاقتیں بغیر فوج و ہتھیار کے بسہولت ان پر قابض ہو سکیں جبکہ یہ ممالک ان تحریکوں کے وجود سے قبل ان تمام طاقتوں کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن اس وسیلہ کے بعد غلط قسم کی تعلیمات سے مغلوب ہو کر ان کی روحانی و جسمانی قوت شل ہو جاتی ہے۔"(۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مشنریوں کا مقصد لوگوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کی ہدایت اور صحیح مذہب کی اتباع کی دعوت دینا نہیں بلکہ ان کا واحد مقصد مسلمانوں کا عقیدہ و اخلاق خراب و تباہ کرنا ہے تاکہ صلیبی طاقتیں بآسانی ان کو اپنے چنگل میں لے سکیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو عقیدۂ وحدہ لاشریک لہ سے گمراہ کرنے میں یہ مشنریاں کامیاب ہو جاتی ہیں وہ لوگ اس کی نگاہ میں نصرانی ہیں خواہ انھوں نے نصاریٰ کی طرح نام نہ رکھے ہوں۔ اور نہ ہی کبھی کلیساؤں میں داخل ہوئے ہوں۔ مشہور پادری اور اس مشن کا زبردست رکن "زویمر" اپنے ایک ساتھی، "شاتلیہ" کو ایک خاص خط میں لکھتا ہے:۔

"ہمارے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم
محض انھیں لوگوں کے اعداد و شمار کا اندازہ کریں
جو مکمل طور پر نصرانیت قبول کر چکے ہیں بلکہ ابھی
تو ہم اپنے مشن پر لگے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے
کہ ایسے سیکڑوں افراد ہیں جن کے دلوں سے
اسلام رخصت ہو چکا ہے اور وہ کسی نہ
کسی گوشہ میں غیر شعوری طور پر دائرہ نصرانیت
میں داخل ہو چکے ہیں۔"(۲)

اسی طرح استشراق کی غرض و غایت بھی

(۱) حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو: الغارۃ التبشیریۃ علی اندونیشیا ص مولفہ ابو الہلال انڈونیشی۔ (۲) الغارۃ علی العالم الاسلامی ص۔ مولفہ ا۔ ل۔ شاتلیہ (A-LE-CHATELIER)

عیسائی مشن سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ کیونکہ مستشرقین اکثر یورپ کے ہوتے ہیں اور اسلام کے خلاف سخت تعصب اور نفرت رکھتے ہیں۔ یہ علماء جیسا لباس پہن کر علمی بحث و تحقیق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مشرق کی تاریخ، عقیدہ اور دیانتیں نیز علوم و آداب پر لکھتے پڑھتے ہیں، در حقیقت ان کا اور عیسائی مشن کا مقصد ایک ہے۔ البتہ وسائل مختلف ہیں۔

جس طرح عیسائی مشن رفاہ عامہ اور تعلیم کے میدان میں کام کرتا ہے مثلاً بچوں کے لیے نرسری اور ہائی اسکول کا انتظام، اسپتال، وحفاظتی کیمپ اور یتیم خانوں کی سہولت مہیا کرنا وغیرہ۔ اسی طرح استشراق بھی علم و تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر کتابوں اور پرچوں کے ذریعہ یونیورسٹیوں میں اور علمی تحقیقات و کانفرنسوں میں کرسی پر براجمان ہو کر اپنے مقصد کی تکمیل کرتا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مشرق کے مسلم نوجوانوں کو مغرب زدہ کر دے اور ان کو اپنے دین، تاریخ، زبان اور اخلاقی قدروں سے بیگانہ کر کے ان کو یورپ کا مقلد محض بنا دے نیز اسلامی ملکوں میں جو تعلقات باقی ہیں ان کا خاتمہ کر دے۔

مشہور مستشرق "جب" اپنی کتاب "وجہۃ الاسلام" میں لکھتا ہے:

> مشرق کو یعنی مسلمانوں کو مغرب زدہ کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کو اپنے ماضی سے زندگی کے ہر میدان میں حتی الامکان کاٹ دیا جائے۔ اگر ماضی اور حال کے مابین فکر اور عقیدے کا تعلق توڑ دیا جائے اور مشرق کی تاریخ ایسے غلط انداز سے لکھی جائے کہ اس کے افراد اپنے ماضی سے بدک نکلیں، تو مسلمانوں کی طاقت و زندگی ختم ہو جائے گی اور وہ مغرب کے محتاج بن کر رہ جائیں گے اور اس کی طرف تقدس و عبادت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اس کی اطاعت کرنے میں فخر محسوس کریں گے(۱)

یورپ اور نصرانیت

نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یورپ کے اس غلط اور منحرف طریقہ اور منہج کا بھی ذکر کرتے چلیں جس پر اس وقت اس کے تمدن و ثقافت کی دیوار کھڑی ہے۔ موجودہ مادی دوڑ میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے دوری اور غفلت اور زندگی کے ہر میدان میں دین سے بیزاری اور نفرت اس کی روشن مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی عالم (نصرانیت) کی فکری زندگی ملحدانہ افکار و فلسفات اور بے شمار باطل مذاہب سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً مادیت، وجودیت، سیکولرزم، اور کمیونزم وغیرہ۔ لیکن نصرانیت جو کہ مستقل ایک عقیدہ اور اخلاق کی حامل ہے کلیسا ہی میں محصور ہو کر رہ گئی ہے اور یہ کلیسا بھی صدیوں پہلے مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر مستقل مذاہب کی شکل اختیار کر چکے ہیں، چنانچہ کیتھولک جس کا نمائندہ پوپ ہوتا ہے، فرانس اس کی حمایت کر رہا ہے، پروٹسٹانی عقیدے کا محافظ برطانیہ ہے۔ اور آرتھوڈوکس مذہب روس اور اس کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے۔

در حقیقت ان ساری حالتوں کے باوجود نصرانیت اہل یورپ کی نگاہ میں صرف ایک تاریخی عقیدہ اور قدیم تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے جو عرصہ دراز سے ان میں چلی آرہی ہے لیکن اس کی تعلیمات سیکھنے، پڑھنے اور اس کو رواج دینے کے لیے اپنا وقت صرف کرنا وہ عبث سمجھتے ہیں۔ ان کا تعلق صرف رسمی اور تاریخی ہے۔

---

(۱) تصلیات معاصرہ من تراث الاسلام، موقف انور الجندی ص ۳۲۳

علامہ اقبال مریم جمیلہ کی نظر میں

اسلامی معاشرہ میں مغربی استیلا کے لائے ہوئے تند و تیز تہذیبی انتشار کے درمیان حکیم الامت شاعر مشرق علامہ محمد اقبال جدید مسلم لٹریچر میں کیا مقام رکھتے ہیں۔ عرب دنیا میں مصر کے احمد شوقی (۱۸۶۸ تا ۱۹۳۲) اور ابراہیم حافظ (۱۸۷۱ - ۱۹۳۲ء) شام کے خلیل مطران (ت ۱۹۴۹ء) اور عراق کے معروف الرصافی (۱۸۷۵ - ۱۹۴۵ء) کے ہم عصر شعراء تھے۔ اول الذکر تینوں شاعر اسلامی موضوعات کو اپنی شاعری میں لادینی قوم پرستی کے مقاصد پورا کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور آخر الذکر مادہ پرستانہ فلسفے کا مبلغ تھا۔ ان کے مقابلے میں علامہ اقبال نے اپنی تمام خداداد ادبی صلاحیتیں بجان و دل اسلام کے لئے وقف کر دیں۔ اگرچہ ان کے کلام کا بڑا حصہ فارسی میں ہے، تاہم انھوں نے وجودی خیالات عشق و محبت اور حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت سے گریز کیا۔ جو فارسی زبان کے تمام کلاسیکی شعراء کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کی شاعری سے بلا ریب و شک ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام حق کے صحیح کردار کا گہرا ادراک رکھتے تھے فی الحقیقت یہ دعویٰ مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ اقبال عہد حاضر کے ان معدودے چند فن کاروں میں سے تھے جنھوں نے اپنی لازوال اور اعلیٰ ادبی قدر و قیمت کی حامل شاعری میں سے ایک مسلمان کے نقطۂ نظر کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا۔

علامہ اقبال اونچے طبقے کے ایک کشمیری برہمن خاندان کی نسل سے تھے۔ یہ خاندان کوئی تین سو برس پہلے مشرف با اسلام ہوا تھا۔ اقبال پنجاب میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے اور مسلم اور مغربی دونوں تہذیبوں کے سانچے میں مکمل طور پر تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ کالج سے ڈگری لی اور چھ برس تک لکچرر رہے۔ ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک انھوں نے کیمبرج اور میونخ میں فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور قانون کا امتحان بھی پاس کیا۔ لاہور لوٹے تو وکالت شروع کی۔ وکالت میں بس اتنا وقت صرف کرتے تھے جس سے معمولی گزران ہو سکے۔ فاضل وقت شعر و سخن میں گزارتے تھے۔

شعر کی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے باوجود علامہ اقبال غلطی سے محفوظ نہ تھے۔ بدقسمتی سے ان کی تحریریں بحیثیت مجموعی تناقضات سے یکسر پاک نہیں ہیں۔ اقبال اپنی زندگی میں ذہنی ارتقاء کی مختلف منزلوں سے مسلسل گزرتے رہے اور زندگی کے بالکل آخری سالوں میں اسلام کے ایک بے آمیزش تصور کا نقشہ اپنے ذہن میں تیار کر سکے۔ ابتدائی

سلسلے میں ان کے اسلامی خیالات کے ساتھ بہت سے غلط نظریات و اثرات بھی بے روک ٹوک خلط ملط رہے۔

ان سے چند ایک انتہائی قابل اعتراض فروگزاشتیں سرزد ہوئی ہیں۔ یہ وہ اقتباسات ہیں جو انگریزی و نثری کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور جن کی اشاعت بڑے وسیع پیمانے پر کی گئی ہے جن سے عالم اسلام کی تجدد پسند تحریکوں کو مدد ملتی ہے اور جن میں کمال اتاترک کی تحریک کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۹۲۸ء میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس کی درخواست پر علامہ اقبال نے مدراس، حیدرآباد اور مسلم گڑھ یونیورسٹیوں میں خطبات دئے۔ بعد ازاں ان خطبات کو ان کے صاحبزادے جاوید اقبال نے یکجا اور مرتب کر کے THE REEONSTRUCTION OF RELIGIOS THOUGHT IN ISLAM کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ دوسری قابل اعتراض تحریر ان کے ایک پمفلٹ ISLAM AND AHIMADAAM WITH A REPLY TO QUESTION RAISED BY PANDIT NEHRU (اسلام اور احمدیت) میں ملتی ہے۔ یہ پمفلٹ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے انہوں نے پنڈت نہرو کی طرف سے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب میں لکھا تھا۔ اس پمفلٹ میں ترکی میں کمالی اصلاحات پر بڑی طول طویل بحث کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اصلاحات غیر اسلامی نہیں ہیں۔ عیسائی مشنری، مغربی مستشرقین اور ہمارے دیسی متجددین سب اسلامی اقدار کے خلاف اپنے تخریبی دلائل کی تائید میں ان کی تحریریں پیش کرنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ چونکہ اقبال ایسی عظیم شخصیت کی تحریریں ہیں، اس لئے جب یہ لوگ انھیں اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں تو ان کے شر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ بدترین پہلو یہ ہے کہ انگریزی بولنے والی دنیا اقبال کی فارسی اور اردو شاعری سے بے خبر ہے۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ کتابیں علامہ اقبال کے نظریات کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتی ہیں۔ اس طرح مصنف خود جس نصب العین پر گرمجوشی سے یقین رکھتا ہے اور جس کے لئے اس نے زبردست جدوجہد کی ہے اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

پچھلے پانچ سو برس سے الٰہیات اسلامیہ پر جمود کی کیفیت طاری ہے۔ ایک زمانہ تھا جب یورپ کے افکار دنیائے اسلام سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ تاریخ حاضرہ کا سب سے زیادہ توجہ طلب مظہر یہ ہے کہ فکری اعتبار سے عالم اسلام نہایت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس تحریک میں بجائے خود کوئی قباحت نہیں کیونکہ جہاں تک علم و حکمت کا تعلق ہے مغربی تہذیب دراصل اسلامی تہذیب ہی کے بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔

ہمارے متجددین عالم اسلام کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کے حق میں بالعموم یہی دلیل پیش کرتے ہیں۔ معتزلہ جنہیں تمام جمہور علماء بدعتی قرار دے کر مسترد کرتے ہیں انہی نے یونانی فلسفے کو یورپ میں منتقل کیا تھا۔ یہ محض ایک تاریخی اتفاق تھا۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یونانی فلسفہ یونانی فلسفہ ہی رہے گا خواہ اس کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگوں کا نام مسلمانوں جیسا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اقبال اسی کتاب میں مندرجہ بالا دلیل کی خود تردید کرتے ہیں اور جدید مغربی فلسفے کی روشنی میں اسلامی اصولوں کی تعبیر جدید کی کوشش کو باطل بے کار اور بے نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

عالم اسلام کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ کائنات

کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص اور وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عالمگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقاء روحانی اساس پر ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ نے ان خطوط پر متعدد مثالی نظام قائم کیے۔ لیکن تجربہ کہتا ہے کہ جس حق و صداقت کا انکشاف عقل محض کی وساطت سے ہو اس سے ایمان و یقین میں وہ حرارت پیدا نہیں ہو سکتی جو وحی و تنزیل کی بدولت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل محض نے انسانیت کو بہت کم متاثر کیا۔ اس کے برعکس مذہب نے افراد کو سربلند کرنے کے ساتھ پورے کے پورے معاشروں کو بدل ڈالا۔ یورپ کی مثالیت پرستی اس کی زندگی کی زندہ و موثر قوت کبھی نہ بن سکی۔ یقین کیجیے آج انسان کے اخلاقی ارتقاء میں یورپ سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب "الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید" میں ایک اور غلطی بھی کی ہے۔ متجددین علامہ کی شہرت و عظمت کے سہارے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اس غلطی کو اچک کر اپناتے ہیں۔ حالانکہ اقبال جتنے عظیم شاعر ہیں اتنی یہ غلطی بھی اتنی ہی عظیم ہے۔

"پچھلی متعدد صدیوں میں جب عالم اسلام پر ذہنی غفلت اور بے ہوشی کی نیند طاری تھی، یورپ نے ان عظیم مسائل میں نہایت گہرے غور و فکر سے کام لیا جن سے کبھی مسلمان فلسفیوں اور سائنسدانوں کو شغف رہا ہے۔ قرون وسطیٰ سے لے کر اب تک، جب مسلمانوں کے الٰہیاتی مکاتب کی تکمیل ہوئی، انسانی فکر اور تجربے کی دنیا میں بے پایاں ترقی ہوئی ہے ...... لہٰذا اگر ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کی نئی پود کا مطالبہ ہے کہ ہم اپنے دین کی تعلیمات کا رخ پھر سے متعین کریں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ لیکن مسلمانوں کی اس تازہ بیداری کے ساتھ اس امر کی تحقیق نہایت ضروری ہے کہ مغربی فلسفہ و فکر کیا ہے۔ علیٰ ہذا یہ کہ الٰہیات اسلامیہ کی نظر ثانی بلکہ ممکن ہو تو تشکیل جدید میں ان نتائج سے کہاں تک مدد مل سکتی ہے جو اس سے مرتب ہوئے ہیں، خواہ اس باب میں ہمیں اپنے پیش روؤں سے اختلاف ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

علامہ اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "اسرار خودی" میں بالکل مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے:

سوز عشق از دانش حاضر مجوے
کیف حق از جام این کافر مجوے
مدتے محو تگ و دو بودہ ام
راز دان دانش نو بودہ ام
باغبانان امتحانم کردہ اند
محرم این گلستانم کردہ اند
گلستان لالہ زار عبرتے
چون گل کاغذ سراب نکہتے
دانش حاضر حجاب اکبر است
بت پرست و بت فروش و بتگر است
پا بزندان مظاہر بستہ
از حدود حس برون ناجستہ
در صراط زندگی از پا فتاد
بر گلوے خویشتن خنجر نہاد

علامہ اقبال کی ایک قابل اعتراض تحریر اور بھی ہے جسے ہمارے متجددین حقیقی اسلامی اقدار کو ترک کرنے اور عالم اسلام کو مغربی رنگ میں رنگنے اور جدید طرز پر استبداد کرنے کے حق میں اجتہاد کا دروازہ کھول دینے کے نام پر پیش کرتے ہیں:

"مسلمانوں نے گرد و پیش کی قوموں سے

تہذیب و ثقافت کے جو عناصر اخذ کیے ان کو ہمیشہ اپنے مذہبی مطمح نظر کے ڈھال لیا..... اسلام کی روح قانون کی دنیا میں اور بھی نمایاں ہے.... ...قرآن کوئی قانونی ضابطہ نہیں۔ اس کا حقیقی منشا، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، یہ ہے کہ ذہن انسانی میں اس تعلق کا جو اسے کائنات اور خالق کائنات سے ہے اعلیٰ و برتر شعور پیدا کرے..... اس سلسلے میں غور طلب امر قرآن مجید کا وہ مطمح نظر ہے جو اس نے زندگی کے بارے میں قائم کیا اور جس میں اس کی نگاہیں جمود کے بجائے حرکت پر ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مطمح نظر ایسا ہوگا اس کی روش ارتقا کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ .... دنیائے اسلام ان نئی نئی قوتوں سے متاثر اور دو چار ہو رہی ہے جو فکر انسانی کے ہر سمت میں غیر معمولی نشو و نما کے باعث پھیل رہی ہے۔ مجھے اجتہاد کے دروازے کو اب مزید کچھ مدت تک بند رکھنے کا کوئی حقیقی سبب نظر نہیں آتا۔ اندریں صورت اگر آزاد خیال مسلمانوں کی نئی پود یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اسے اپنے تجربات اور زندگی کے بدلتے ہوئے احوال و ظروف کے پیش نظر فقہ و قانون بنیادی اصولوں کی از سر نو تعبیر کا حق پہونچتا ہے تو میرے نزدیک وہ اس بات میں پوری طرح حق بجانب ہیں۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے بجائے خود اس امر کی مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اپنے اسلاف کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے اور اس راہ میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

یہ متجددین جو اسلام کے خلاف اپنے غلط استدلال کی تائید میں علامہ اقبال کی عظمت کا حوالہ دیتے ہیں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ خود اقبال نے "رموز بے خودی" میں بڑے فصیح انداز میں بالکل متضاد رائے ظاہر کی ہے:

ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند
خویش را زنجیری آئیں کند
باز اے آزاد دستور قدیم
زینت پاکن ہماں زنجیر سیم
شکوہ سنج سختی آئیں مشو
از حدود مصطفیٰ بیروں مشو
تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟
زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

در شریعت معنی دیگر مجو
غیر ضو در باطن گوہر مجو
ایں گہر را خود خدا گوہر گر است
ظاہرش گوہر بطونش گوہر است
علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

با تو گویم سر اسلام است شرع
شرع آغاز است و انجام است شرع

اسی نظم میں علامہ اقبال بڑے فیصلانہ انداز کے ساتھ اپنی ائمہ سازی کتابوں کی تحریروں کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زوال و انحطاط کے زمانے میں ماضی کے ساتھ مِن و عن مطابقت آزادانہ قیاس آرائی اور اجتہاد سے کہیں بہتر ہے:

اے پریشاں محفل ویرانہ ات
مردہ شمع زندگی در سینہ ات
نقش بر دل معنی توحید کن
چارۂ کار خود از تقلید کن
اجتہاد اندر زمان انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر
عقل آبایت ہوس فرسودہ نیست
کار پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکر شاں ریسد ہمے باریک تر
ورع شاں با مصطفےٰ نزدیک تر

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست
چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

با مریدے گفت اے جان پدر
از خیالات عجم باید حذر
قلب را زیں حرف حق گرداں قوی
با عرب در ساز تا مسلم شوی

اسلامی اقدار کی قدر و قیمت سے بے خبر لوگ جب "اجتہاد کا دروازہ" کھولنے کی کوشش کرتے ہیں تو فی الواقع کیا نتائج رونما ہوتے ہیں، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تحریر سے کیا جا سکتا ہے:

"اگر مذہب کا مقصود فی الواقع یہ ہے کہ انسان کا دل روحانیت سے بھر دے تو ضرور ہے کہ وہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جائے، لیکن ترکی شاعر ضیا گوکلپ کہتا ہے کہ جب تک مذہب کے روحانیت خیز افکار مادری زبان میں ادا نہیں کیے جاتے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مانا کہ عربی کو ترکی سے بدلنے کا خیال مسلمانان ہند کی غالب اکثریت کو ناگوار گزرے گا۔ اور وہ اس کی مذمت کریں گے۔ یوں بھی بہ اعتبار ان وجوہ کے جن کا ذکر آگے آئے گا شاعر کا یہ اجتہاد بڑا قابل اعتراض ہے تاہم اسلامی تاریخ میں اس قسم کی اصلاح کی مثال بھی موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلامی اندلس کے مہدی محمد ابن تومرت نے جس کی قومیت بربری تھی جب اقتدار حاصل کیا اور موحدین کی زبردست حکومت قائم کی تو حکم دیا کہ بربری چونکہ ایک ناخواندہ قوم ہیں، لہٰذا ان کی خاطر سے قرآن مجید کا ترجمہ اور تلاوت بھی بربری زبان میں کی جائے۔ اذان بھی بربری ہی میں ہو، حتیٰ کہ علماء و فقہاء بھی اس کی تعمیل کریں۔

در اصل مسلمان قوموں میں صرف ترک ایک ایسی قوم ہیں جو قدامت پرستی کے خواب سے بیدار ہو کر شعورِ ذات کی نعمت حاصل کر چکے ہیں۔ صرف ترکوں نے ہی ذہنی آزادی کا حق طلب کیا ہے اور وہ ایک خیالی دنیا سے نکل کر عالمِ حقیقت میں آ چکے ہیں۔ لیکن یہ وہ تغیر ہے جس کے لئے انسان کو ایک زبردست ذہنی اور اخلاقی کشاکش سے گزرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک طبعی امر تھا کہ ایک ہر لحظہ حرکت اور وسعت پذیر زندگی کی روز افزوں پیچیدگیوں کی بدولت انہیں نئے نئے حالات اور نئے نئے نقطہ ہائے نظر سے سابقہ پڑتا اور وہ ان اصولوں کی از سرِ نو تعبیرِ جدید پر مجبور ہو جاتے جو روحانی وسعتوں کی مسرت سے محروم قوم کے لئے خشک بحثوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ..... اکثر مسلمان ممالک میں پرانی قدروں ہی کا تکرار بالکل مشینی انداز میں جاری ہے۔ البتہ ترک نئی قدریں وجود میں لانے کی راہ پر گامزن ہیں وہ بڑے بڑے اہم تجربات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ اور ان تجربات نے ان پر ان کے اندرونی ذات کو منکشف کیا ہے۔ ان کی زندگی میں حرکت، تغیر اور وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں نئی نئی امنگیں، مشکلات رونما ہوئی ہیں اور ذہنوں کو نئی نئی تعبیریں سجھائی گئی ہیں.....

تاہم اپنی زندگی کے آخری زمانے میں علامہ اقبال کے نظریات اس باب میں بالکل بدل گئے۔ ترکی میں کمال

(۲) ترک نے جو تجربہ کیا، اسے انہوں نے مغربی مادہ پرستی کی اتباع، مشینی اور غیر تخلیقی نوعیت کی اندھی نقالی قرار دیا۔ چنانچہ ضربِ کلیم میں کہتے ہیں:

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زرنگار بے شمشیر

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

اسی طرح ایک اور بیان ہے جس کے متعلق علامہ اقبال نے اپنی زندگی کے آخری زمانے میں خود تسلیم کیا کہ ان سے سخت غلطی ہوئی تھی۔ لیکن ہمارے جیسے متجددین جو عالمِ اسلام کو مغرب کے رنگ میں رنگتا اور جدید بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے ہیں، پوری بے باکی کے ساتھ اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں:

"علماء ہمیشہ سے اسلام کی رہبری کا سرچشمہ رہے ہیں لیکن گزشتہ کئی صدیوں کے دوران میں خصوصاً بغداد کی تباہی کے بعد سے وہ از حد رجعت پسند بن چکے ہیں اور اجتہاد کا حق دینے پر راضی نہیں ہوتے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے مصلحین کا اولین مقصد یہ تھا کہ مذہب کو پھر سے نیا رنگ دیا جائے اور بڑھتے ہوئے تجربہ کی روشنی میں شریعت کی نئی تعبیر کرنے کی آزادی دی جائے ..... ان مصلحین نے عالمِ اسلام کے افکار و خیالات میں تغیر برپا کیا۔ یہاں اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں:

تاہم ایک بات واضح ہے۔ انھوں نے مصر کے زغلول پاشاہ، ترکی کے کمال آتاترک اور ایران کے رضا شاہ پہلوی ایسے لوگوں کی حمایت کے لئے زمین بڑی حد تک تیار کردی۔ سید احمد خاں اور شیخ محمد عبدہ نے ترجمانی کا کام کیا۔ دلائل فراہم کئے اور مسائل کی توضیح و تشریح کی، لیکن ان کے بعد آنے والے لوگوں نے، جو اگرچہ علمی بارے میں ان حضرات سے کم تر ہیں، لیکن اپنے محدود وجدان پر اعتماد کرتے ہوئے سورج کی روشنی سے منور خلا میں آگے بڑھنے اور ہر وہ کام کر گزرنے کی جرأت رکھتے ہیں، زندگی کے نئے احوال پیدا کئے جس کا تقاضا کرتے ہیں اور اس سلسلے میں تشدد استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے

.... ترکی میں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو بظاہر اسلام کی ضد نظر آتا ہے کیا یہ عام مادی نظریہ کی ارتقائی صورت ہے؟ اسلام نے حرکت کیا سے بہت زیادہ بھر جایا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان حقائق پر غور کریں۔ مادہ پرستی بلاشبہ مذہب کے خلاف ایک گھٹیا ہتھیار ہے لیکن ملائیت اور صوفیت جو لوگوں کی جہالت اور خوش اعتقادی کام میں لانے کے لئے انہیں بے وقوف بناتی ہیں، ان کے خلاف اس ہتھیار کے مؤثر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اسلام کی روح مادہ کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنے سے ذرا بھی خائف نہیں۔ ایک غیر مسلم جب عالم اسلام کی گزشتہ چند صدیوں کی تاریخ پر غور کرتا ہے تو یہ بات اس کی سمجھ میں آتی کہ مادی نظریہ کا ارتقاء، خودی یا تشخص SELF-REALIZATION کی محض ایک شکل ہے۔ پھر کیا یہ پرانے لباس کی موقوفی یا لاطینی رسم الخط کے اجراء ہی کا معاملہ ہے؟ اسلام کا بحیثیت ایک مذہب کے کوئی ملک نہیں۔ بحیثیت ایک معاشرہ کے اس کی کوئی زبان اور خاص لباس نہیں — حتیٰ کہ ترکی زبان میں قرآن پڑھنے کی نظیر بھی مسلمانوں کی تاریخ میں ملتی ہے۔

.... پھر تعدد ازدواج کی موقوفی یا علماء کے لئے سند یافتہ ہونے کا معاملہ کیوں کر قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ اسلامی قانون کی رو سے امیر، شریعت کی دی ہوئی اجازتوں کو منسوخ کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے یقین ہو جائے کہ ان اجازتوں سے معاشرتی مفاسد پیدا ہو رہے ہیں۔ جہاں تک علماء کے لئے سند یافتہ ہونے کو لازمی قرار دینے کا تعلق ہے تو اگر میرے ہاتھ میں اختیار ہوتا میں اس کو مسلم ہندوستان میں ضرور رائج کر دوں۔ افسانہ طراز ملّا محض عام مسلمانوں کی بیوقوفی کی بنا پر بے سروپا باتیں گھڑتے رہتے ہیں۔ اس کو عوام کی مذہبی زندگی سے بے دخل کر کے اتاترک نے وہ کام کیا ہے کہ اگر امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ زندہ ہوتے تو ان کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ مشکوٰۃ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان مملکت کا امیر یا اس کا نامزد کردہ کوئی شخص

یا انکا اس ہی عوام میں وعظ و تبلیغ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اتاترک کو اس حدیث رسول کی خبر تھی یا نہیں۔ البتہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس اہم معاملے میں اس کے اسلامی ضمیر کے نور نے اس کے دائرۂ عمل کو منور کر دیا ہے۔"

مولانا مودودی کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جنہوں نے علامہ اقبال کو ان کی زندگی کے آخری سالوں میں دیکھا علامہ اقبال نے مندرجہ بالا نظریات کی وکالت و حمایت کس لئے کی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا میرے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اقبال کے نظریات ایک زمانے تک خالصتاً اسلامی نہ تھے بلکہ ان میں مسلم قوم پرستی کی آمیزش تھی۔ اس آمیزش کو غالباً وہ زندگی بھر اپنے نظریات کے دامن سے نہیں جھاڑ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان رہنماؤں اور حکمرانوں کی خدمت سے بالعموم احتراز کرتے تھے اور بعض اوقات شاعرانہ ترنگ میں ان کی غیر اسلامی سرگرمیوں کی تائید تک کر گزرتے تھے۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ہند و پاکستان کے مسلمانوں میں ترکی کے ساتھ جو گہری ہمدردی پائی جاتی تھی۔ اس کے بہت سے تاریخی اور سیاسی عوامل تھے۔ مسلمان برطانوی قوم کے غلام ہونے کے بعد اپنی عظمت رفتہ کی اس نشانی سے ایک جذباتی لگاؤ رکھتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے اسکی مدافعت کرتے تھے۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی مجروح مسلمان ریاست کو بچانے کے لئے جو کچھ کیا تھا اس کے صلے میں یہاں کے مسلمان اصحاب علم اور مفکرین کمال اتا ترک کے غیر اسلامی اور صریحاً کافرانہ اعمال سے اغماض کرنے پر تیار رہتے تھے۔

اس ذہنی اور جذباتی پس منظر میں اقبال بھی ۱۹۳۰ء تک کمال اتاترک کی اصلاحات کی صفائی اور ان کی تاویلات پیش کرتے لیکن آخر کار ہمارے شاعر کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو گیا اور وہ کمال کی بدعات کی علانیہ مذمت کرنے لگے......"

چنانچہ بال جبریل میں کہتے ہیں:

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب
میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
اگرچہ میرے نشیمن میں کر رہا ہے طواف
میری نوا میں نہیں طائر چمن کا نصیب
سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترک عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب
سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

پھر ضرب کلیم میں کہتے ہیں:

مری نوا سے گریبان لالہ چاک ہوا
نسیم صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اسکی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ دار و رسن کی تلاش میں ہے ابھی

ان فکری لغزشوں سے قطع نظر جو انگریزی تعلیم یافتہ میں راہ پا گئی ہیں، اقبال اسلام کے نصب العین پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اور اس راہ میں ان کے قدم کبھی ڈگمگانے نہیں پائے۔ ان کی پختہ یقینی اور خلوص مقاصد کا اندازہ ان اشعار سے کیا جا سکتا ہے جن میں انھوں نے صنف نسواں کے اسلامی تصور کی عکاسی کی ہے:

نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ او را با نبوت نسبت است
گفت آں مقصود حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں
ملت از تکریم ارحام است و بس
ورنہ کار زندگی خام است و بس

آں دلے رستاق زادے جاہلے
پست بالائے سطبرے بے گلے
نا تراشے بے زر و بینش بادہ
کم نگاہے کم زبانے سادہ
دل ز آلام امومت کردہ خوں
گرد چشمش حلقہ ہائے نیلگوں
ملت ار گیرد ز آغوشش بدست
یک مسلمان غیور حق پرست
ہستی ما محکم از آلام اوست
صبح ما عالم فروز از شام اوست
واں تہی آغوش نازک پیکرے
خانہ پرورد نگاہش محشرے
فکر او از تاب مغرب روشن است
بند ہائے ملت بیضا گسیخت
تا ز چشمش شرمہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش
از حیا نا آشنا آزادیش
علم او بار امومت بر نتافت
بر سر شامش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستان ما نا رستہ بہ
داغش از دامان ملت شستہ بہ
مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

اے امین نعمت آئین حق
در نفسہائے تو سوز دین حق
دور حاضر تر فروش و پر فن است
کاروانش نقد دیں را رہزن است
کور و یزداں نا شناس ادراک او
ناکساں زنجیری پیچاک او
چشم او بے باک و ناپروا ستے
پنجۂ مژگان او گیرا ستے
صید او آزاد خواند خویش را
کشتۂ او زندہ داند خویش را

آب بند نخل جمعیت توئی
حافظ سرمایۂ ملت توئی
کودک ما چوں لب از شیر تو شست
لاالہ آموختی او را نخست
از سر سود و زیاں سودا مزن
گام جز بر جادۂ آبا مزن
ہوشیار از دستبرد روزگار
گیر فرزندان خود را در کنار
ایں چمن زادان کہ پر نگشادہ اند
ز آشیان خویش دور افتادہ اند
فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

عالم اسلام میں ایسے ممتاز لوگ چند ایک ہی ملتے ہیں جنہیں اقبال کی طرح یورپ کے علوم اور فلسفے میں گہرا درک حاصل ہے۔ اگرچہ اسلام پر ان کا یقین و اعتماد کبھی ڈانواں ڈول نہیں ہوا۔ لیکن وہ عوام کی ذلت و پستی کا مقابلہ انگلستان اور جرمنی ایسے ممالک کی طاقت، خوشحالی اور اثر آفرینی سے کرنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔ اس کا سبب وہ تناقض ہے جو ان کی تحریروں میں پایا جاتا ہے اور جن کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔ تاہم اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب ان کی خوش خیالیاں بیکار ثابت ہوئیں اور بصیرت بھی اور گہری ہو گئی ....

..................؟

غزل

اختر اعظمی جلالپوری

کہاں رہ گئے وہ یہاں آتے آتے
ہوئے راہ میں بدگماں آتے آتے

نہیں فکر اب چاک داماں کی مجھکو
رفو کر لیا ہے خزاں آتے آتے

یہ مانا کہ ممکن نہیں تم سے درماں
ذرا سن تو لو داستاں آتے آتے

چمن لٹ گیا پھول مرجھا گئے سب
یہ کیا ہو گیا پاسباں آتے آتے

عتاب خلوص محبت بھی کیا ہے
ہوئے مجھ پہ وہ مہرباں آتے آتے

بہاروں پہ افسردگی چھا گئی ہے
بدل کیا گیا باغباں آتے آتے

ابھی زد طوفاں ہے میرا سفینہ
کہاں سو گیا بادباں آتے آتے

کبھی وہ تھی معراج اردو کی اختر
مگر اب مٹی یہ زباں آتے آتے

تیسری قسط

مصنف سلطان احمد اصلاحی
ادارہ تحقیق و تصنیف علیگڈھ

حقوق شہریت میں اسلامی مساوات کی ایک جھلک

۸۔ آزادی رائے اور آزادی ضمیر کا حق

اسی طرح اسلامی تحریک نے آزادی رائے اور آزادی ضمیر کا حق بھی اپنے معاشرے کے ہر فرد کے لئے فراہم کیا ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ اس کا تعلق کس ذات یا کس برادری سے ہے یا یہ کہ وہ کس قوم اور کس نسل سے تعلق رکھنے والا ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ وہ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے اس حق کو استعمال کرے۔ قرآن مجید امت مسلمہ کا مقصد وجود ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دے گی اور برائی سے منع کرے گی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

تم سب امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں میں پیدا ہوئے ہو تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی تاکید کی ہے۔ اور اس میں کوتاہی کو ایمان کی کمزوری کی علامت بتایا ہے۔ مشہور حدیث ہے:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان۔ [۱]

تم میں کا جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے بدل دے اپنے ہاتھ سے۔ اگر وہ یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اسے برا کہے، اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو اسے اپنے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

یہی نہیں بلکہ دوسری احادیث میں آپ نے اس پر کوتاہی برتنے پر اللہ کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا منه ثم تدعونه فلا يستجيب لكم۔ [۲]

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیجے۔ پھر تم اسے پکارو گے

---

۱ مسلم جلد ۱ کتاب الایمان - باب کون النہی عن المنکر من الایمان۔ ترمذی جلد ۲ - ابواب الفتن - باب ما جاء فی تغییر المنکر بالید او باللسان او بالقلب۔ ابوداؤد جلد ۲ - کتاب الملاحم - باب الامر والنہی۔ ابن ماجہ ابواب الفتن - باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

۲ ترمذی جلد ۲ - ابواب الفتن - باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

لیکن وہ تمہاری پکار نہیں سنے گا

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپ نے اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی کوتاہی کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے امتیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

كلا والله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدي الظالم ولتأطرنه على الحق أطرا ولتقصرنه على الحق قصرا أو ليضربن الله بقلوب بعضكم على بعض ثم ليلعنكم كما لعنهم [1]

ہرگز نہیں، تم ضرور بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ اور ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور اسے حق پر چلنے کیلئے مجبور کرو گے اور اسے حق پر باندھے رہو گے ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے ملا دے گا، یعنی سب کی حالت ایک جیسی کر دیگا پھر تم سب پر لعنت کریگا جیسا کہ اس نے ان (بنی اسرائیل) پر لعنت کر دی

اسلام کو یہ آزادی رائے و ضمیر کس قدر عزیز ہے اور کس طرح وہ اپنے ہر شہری کو اس حق کے استعمال کی ترغیب دیتا ہے اس کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث سے ہوتا ہے جس میں آپ نے جابر حکمراں کے روبرو حق و انصاف کی آواز بلند کرنے کو سب سے افضل جہاد قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر [2]

سب سے افضل جہاد ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

۹۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور اقدام کرنے کا حق

اسلام نے آگے بڑھ کر اپنے ہر شہری کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور اقدام کرنے کا بھی حق عطا کیا ہے اور اس سلسلے میں کسی شریف، رذیل اور کسی کالے گورے کے امتیاز کو روا نہیں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم وكان الله سميعا عليما (نساء ۱۴۸)

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات پکار کر کہنے کو۔ ہاں مگر جس پر ظلم ہوا ہو اس کی بات الگ ہے اور اللہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اسلام اپنے ہر شہری کو ظلم کے خلاف اقدام کرنے کا حق بھی عطا کرتا ہے۔

وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين

اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو، جتنی کہ تم کو تکلیف دی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے (نحل ۱۲۶)

اسلام کے نزدیک کوئی جذبۂ انسانیت ہمیشہ کے لئے ظلم و ناانصافی کی چکی میں پسنے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا ہے اس کے برعکس سماج کے ہر شخص کو قطع نظر اس سے کہ اس کا تعلق کسی قوم یا کسی نسل سے ہے، وہ اس بات کا حق عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والی کسی ناانصافی اور ظلم و تعدی کا بدلہ لے سکے قرآن صاف اعلان کرتا ہے:

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين (بقرہ ۱۹۴)

پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم اس زیادتی کا بدلہ لے سکتے ہو لیکن اسی قدر جتنی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اسلام کے نزدیک برائی ہر شخص کے لئے یکساں برائی ہے اور جو شخص بھی کسی کے ساتھ برائی کا معاملہ کرتا ہے وہ اس کا مستحق

---

[1] ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الملاحم۔ باب الامر والنہی۔ ترمذی جلد ۲۔ ابواب التفسیر سورہ مائدہ

[2] ابو داؤد/ حوالہ سابق۔ ترمذی ج ۲۔ ابواب الفتن۔ باب افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔ ابن ماجہ ابواب الفتن۔ باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

ہے کہ اس کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا جائے۔ ظلم کے بعد جو
شخص انتقام لیتا ہے اس کے نزدیک اس پر کوئی الزام نہیں ہے
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا برائی کا بدلہ برائی ہے مگر جو کوئی
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى معاف کرے اور آشتی کی راہ اپنائے تو اس
اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بیشک وہ
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور
فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ جو کوئی بدلہ لے اپنے ظلم پر تو ان پر
(شوریٰ ۴۰-۴۱) کوئی ملامت نہیں ہے۔

یہی نہیں بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کے اندر اس چیز کو ایک دائمی وصف کی حیثیت سے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ وہ ظلم کے مقابلے میں کبھی بھی سپر انداز نہ ہوں، بلکہ باہم مل کر اس کو پسپا کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ قرآن جس طرح اہل ایمان کو نماز اور انفاق کے دائمی اوصاف سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے اسی طرح وہ ان کا ایک دائمی وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف سپر انداز نہیں ہوتے بلکہ سینہ سپر ہو کر اسے دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ (وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں
أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ان کا
بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ کام آپس کے مشورے سے ہوتا
وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ ہے اور جو ہم نے دیا اس میں
هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ سے خرچ کرتے ہیں اور وہ کہ جب
(ایضاً ۳۸-۳۹) ان پر چڑھائی ہوتی ہو تو پوری
قوت سے اسے دفع کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔)

شعر

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

اقبالؒ

غزل

شاکر تسلیم

یہ دور تشکیک ہے بابا
وہ بھی غلط جو ٹھیک ہے بابا

راہ صداقت اللہ اللہ
بال سے بھی باریک ہے بابا

دل ہی کو بس چین نہیں ہے
ویسے سب کچھ ٹھیک ہے بابا

آج ہمارے دن کا سورج
کل سے بھی تاریک ہے بابا

حق کی خاطر جان گنوا دی
یہ بھی کوئی تحریک ہے بابا

آج اس کی تو کل اس کی ہے
دنیا کا کچھ ٹھیک ہے بابا

عصر نو کی تابانی کا
مستقبل تاریک ہے بابا

لوٹ ہی لیں گے یہ بھی لٹیرے
جھولی میں جو بھیک ہے بابا

پونجی پتی شاکر کو نہ کہنا
یہ الزام رکیک ہے بابا

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

اقبالؒ

حکیم مشتاق احمد اصلاحی
صدر اسلامی جمعیت اطبا پاکستان

پاکستانی اطبا اور خاندانی منصوبہ بندی

یہ مقالہ پاکستان کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے لیکن قارئین کے لئے اس کا مطالعہ مفید اور معلومات افزا ہوگا ہفت روزہ الشیا سے شکریہ کیساتھ نقل کیا جارہا ہے۔ — ایڈیٹر

برصغیر ہندوستان میں پاکستان کے مسلمانوں کو اب ایک آزاد قوم کی حیثیت حاصل ہے اور یہ آزادی چونکہ انہوں نے اسلام کے دیے ہوئے اصولوں اور قومی تشخص کی بنیاد پر حاصل کی ہے اس لئے دوسری قوموں میں رواج پذیر کسی بھی تمدنی یا معاشرتی تحریک کو قبول کرنے سے پہلے انہیں اس کو اسلامی تہذیب اور تمدن کے اصولوں کی کسوٹی پر اچھی طرح پرکھ لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یورپ کی اندھی تقلید میں اپنے قومی تشخص یا مفاد کو نقصان پہونچا بیٹھیں۔

انگریزوں نے جب سے ضبط ولادت کی اس تحریک کو ہندوستان میں متعارف کرایا ہے اور کروڑوں روپے کی سالانہ امداد سے اسے فروغ دینا شروع کیا ہے اسی وقت سے علماء حق اور مفکرین اسلام (خصوصاً مولانا مودودی) اس تحریک کے اخلاقی، معاشی، تمدنی اور سیاسی نقصانات سے عام لوگوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے یہ تحریک چونکہ پاکستان میں قائم ہونے والی مختلف حکومتوں کے کندھوں پر سوار ہو کر پھلتی رہی ہے اس لئے اب اس نے پاکستان کے بعض ایسے طبقات کو بھی تعاون پر آمادہ کر لیا ہے، جو ہمیشہ سے اسلامی اصولوں کے پاسدار و محافظ اور پاکیزہ دینی جذبات کے حامل رہے ہیں۔ اور وہ طبقہ ہے پاکستان کے اطبا کا اور اس طبقہ میں بھی ایک افسوسناک صورت حال یہ نظر آرہی ہے کہ پاکستان کی بعض طبی انجمنوں کی طرف سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کیلئے بیانات جاری ہو رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں پاکستان طبی ایسوسی ایشن کراچی کے صوبائی شاخ کے نائب صدر کا ایک بیان بعض قومی اخبارات اور طبی رسائل میں شائع ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے مراسلہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے سکیم پراجیکٹ میں مستند اطبا کی ملک گیر تنظیم پاکستان طبی ایسوسی ایشن کو نظر انداز کرنے کا شکوہ کیا ہے۔

(اخبار الطب کراچی ماہ اگست ۸۴ء)

اسی طرح مجھے بھی پچھلے دنوں راولپنڈی کے ایک طبی اجلاس میں اس موضوع پر جب بعض اطبا کرام سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا تو میں نے محسوس کیا کہ اس معاملہ میں اطبا پاکستان کی صحیح راہنمائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں نے ایک استفسار اخبارات اور رسائل کو بھیجا۔ جس کے جواب میں علماء کرام کی طرف سے مجھے کچھ خطوط اور لٹریچر ملا ہے۔ جس کی مدد سے میں چاہتا ہوں کہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس خاص مسئلہ کی وضاحت اپنے طبیب بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں۔ تاکہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کے معاملہ میں غور و فکر کرکے اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں۔

اس استفسار کے جواب میں علماء کرام کی جو آراء موصول ہوئی ہیں ان کو نقل کرنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی اس تحریک کے کچھ تاریخی حوالے بھی آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔

تحریک ضبط ولادت کی تاریخ

برعظیم ہندوپاکستان میں گذشتہ پچاس سال سے (BIRTH CONTROL) کی تحریک زور پکڑ رہی ہے اس کی تائید میں نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کو اس طرف رغبت اور اس کے عملی طریقوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے انجمنیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور رسالے شائع کئے جا رہے ہیں۔ پہلے لندن کے برتھ کنٹرول انٹرنیشنل انفارمیشن سنٹر کی ڈائرکٹر نے اس تحریک کی نشر و اشاعت کے لئے ہندوستان کا دورہ کیا۔ پھر اس صدی کے اوائل میں مردم شماری کے کمشنر ڈاکٹر ہٹن (Dr. HUTTON) نے اپنی رپورٹ میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کو خطرناک ظاہر کر کے ضبط ولادت کی تحریک کے فروغ پر زور دیا، اور اس تحریک کا نیا نام "خاندانی منصوبہ بندی" رکھا گیا۔ اور اس نئی اصطلاح کا استعمال پہلے امریکہ میں شروع ہوا۔ کیونکہ امریکہ کے لوگ بھی "برتھ کنٹرول" کے لفظ کو قومی پالیسی کے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ سن ۱۹۴۲ء میں امریکہ کی ضبط تولید کی تنظیموں کی فیڈریشن (BIRTH CONTROL FEDRATION OF AMERICA) کا نام تبدیل کر کے (PLANNED PARENTHOOD FEDRATION OF AMERICA. یعنی خاندانی منصوبہ بندی رکھا گیا۔ ہندوستان، پاکستان اور دوسرے مشرقی ممالک میں یہ تحریک اس نئے نام سے آگے بڑھتی رہی مگر پاکستان کی حکومت نے چند سال سے مسلمانوں کے جذبات کو مغالطہ دینے کیلئے اس کا نام "آبادی کی منصوبہ بندی" رکھ دیا ہے اور اب اس نئے نام سے پاکستان میں اس کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہے۔ پچھلے ماہ کے ایک قومی روزنامے نوائے وقت مورخہ ۱۱ اگست کی خصوصی اشاعت میں ہمارے وفاقی وزیر نے اپنے مضمون میں یہ دلائل دیئے ہیں۔ کہ پاکستان کی آبادی میں تقریباً تین فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ سن ۱۹۴۷ء سے اب تک یہ آبادی تین گنا ہو چکی ہے اگر آبادی کے اضافہ پر قابو نہ پایا گیا تو سن ۲۰۰۰ء تک آبادی ۱۵ کروڑ تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح ہمارے ملک میں فی کس زمین بہت کم رہ جائے گی، شہروں میں شدید بھیڑ ہو جائے گی۔ اور سماجی خدمات اور ادارے سہولتیں پوری نہ کر پائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

تحریک ضبط ولادت کا مقصد

"تحریک ضبط ولادت" کا اصل مقصد تو انسانی نسل کی افزائش کو روکنا ہے، قدیم زمانے میں اس کے لئے عزل، اسقاط حمل، قتل اولاد اور برہم چرج (یعنی ضبط نفس، خواہ وہ تجرد پیشہ کنوارہ رہنے کی شکل میں ہو یا وظیفہ زوجیت سے پرہیز کی شکل میں ہو) کے طریقے اختیار کئے جاتے تھے، آج کل آخری دو طریقوں کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اور ان کے بجائے یہ طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ مباشرت تو کی جائے مگر دواؤں یا آلات کے ذریعے سے استقرار حمل کو روک دیا جائے، اسقاط حمل کا یہ طریقہ بھی کثرت سے یورپ اور امریکہ میں رائج ہے۔ لیکن برتھ کنٹرول کی تحریک صرف مانع حمل تدابیر پر زور دیتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ان تدابیر کا علم اس قدر عام کر دیا جائے اور ان کے ذرائع اس کثرت سے فراہم کر دیئے جائیں کہ ہر بالغ مرد اور عورت اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

تحریک ضبط ولادت کا آغاز اور پس منظر

علماء کرام اور مفکرین اسلام نے اس تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یورپ میں اس تحریک کی ابتدا اٹھارویں صدی کے آخری حصہ میں ہوئی اس کا پہلا محرک غالباً انگلستان

کا مشہور ماہر معاشیات مالتھوس (MALTHUS) تھا اس کے زمانے میں انگریز قوم کی خوشحالی اور فتوحات کی وجہ سے انگلستان کی آبادی تیزی سے بڑھنی شروع ہوئی آبادی کی فراوانی کو دیکھ کر اس خلانا شناس مفکر نے یہ اندازہ لگایا کہ زمین پر قابل سکونت جگہ محدود ہے اور اسی طرح رزق کے وسائل بھی محدود ہیں، لیکن انسانی نسل کی افزائش غیر محدود ہے، اگر اسی طرح نسل اپنی رفتار سے بڑھتی رہی تو زمین اس کے لئے تنگ ہو جائے گی۔ رزق کی کفایت نہ کر سکے گا، اور افزائش نسل کے ساتھ معیار زندگی پست ہوتا جائے گا یا غریب لوگ اپنے کثیر بچوں کی پرورش سے عاجز آجائیں گے اور ان کی صحت بحال نہ رکھ سکیں گے یا ان کی مناسب تربیت نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا نسل انسانی کی خوشحالی، آسائش اور فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آبادی وسائل معاش کی وسعت کے ساتھ متناسب رہے اور اس سے آگے نہ بڑھنے پائے، اس غرض کے لئے اس نے بر ہم چرج کے قدیم طریقہ کو رائج کرنے کا مشورہ دیا یعنی بڑی عمر میں شادی کی جائے اور ازدواجی زندگی میں ضبط نفس سے کام لیا جائے۔ یہ خیالات پہلی مرتبہ ۱۷۹۸ء میں اس نے اپنے ایک رسالہ "آبادی اور معاشرے کی ترقی پر اس کے اثرات" میں پیش کئے تھے۔ اس کے بعد فرانسس پلاس نے فرانس میں افزائش نسل کو روکنے پر زور دیا مگر اس نے اخلاقی ذرائع کو چھوڑ دواؤں اور آلات کے ذریعہ سے مانع حمل کی تجویز پیش کی، اس رائے کی تائید میں امریکہ کے ایک مشہور ڈاکٹر چارلس نولٹن نے ۱۸۳۳ء میں آواز بلند کی، اس کی کتاب "ثمرات فلسفہ" غالباً پہلی کتاب ہے جس میں منع حمل کی جتنی طریقوں کی تشریح کی گئی تھی اور ان کے فوائد پر زور دیا گیا تھا۔

یورپ میں اس تحریک کی ناکامی

ابتدا میں اہل مغرب نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی، اس لئے کہ یہ نظریہ ان کے لئے اصلاً غلط تھا۔ مالتھوس (MAL-THUS) حساب لگا کر یہ تو دیکھ سکتا تھا کہ آبادی کس رفتار سے بڑھتی ہے لیکن اس کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ رزق کے وسائل اور زمین کے خزانے کس رفتار سے بڑھتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آخری پچاس سال تک یورپ کی آبادی تیزی کے ساتھ بڑھتی رہی، یہاں تک کہ وہ ۷۵ سال کے اندر قریب قریب دگنی ہو گئی، خصوصاً انگلستان کی آبادی میں تو حیرت انگیز اضافہ ہوا، جس کی مثال نسل انسانی کی پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی، ۱۸۰۱ء میں اس ملک کی آبادی ۱۲ ملین تھی ۱۸۹۱ء میں ۳۰ ملین تک پہونچ گئی، لیکن آبادی کے اس اضافے کے ساتھ، رزق کے وسائل میں بھی زبردست ترقی ہوئی، صنعت و تجارت میں یہ ممالک تمام دنیا کے اجارہ دار بن گئے۔ ان کی زندگی کا انحصار خود اپنی زمین پر نہ رہا بلکہ وہ اپنی مصنوعات کے معاوضہ میں دوسرے ممالک سے غذا حاصل کرنے لگے اور نسل کی زبردست افزائش کے باوجود ان کو کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ زمین ان کی بڑھتی ہوئی نسلوں کے لئے تنگ ہو گئی یا قدرت کے خزانے ان کی بڑھتی آبادی کا ساتھ دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے مالتھوس کی تحریک ان کے ہاں پنپ نہ سکی، ۱۸۷۷ء میں لندن کی برتھ کنٹرول انفارمیشن سنٹر کی ڈائرکٹر مسز اینی بیسنٹ اور چارلس بریڈلانے ڈاکٹر نولٹن کی کتاب "ثمرات فلسفہ" کو انگلستان میں شائع کیا۔ تو حکومت نے اس پر مقدمہ چلا دیا، اس مقدمہ کی شہرت نے انگلستان کے عوام کو اس تحریک کی طرف متوجہ کر دیا۔ کیونکہ اس دوران کی اقتصادی خوشحالی مردوں، عورتوں کی مساوات اور ان کے آزادانہ میل جول سے ان کی خاندانی زندگی سے اخلاقی اقدار کی گرفت ڈھیلی ہو چکی ہے۔ دولت کی فراوانی نے ان کی خاندانی زندگی میں انارکی پیدا کر دی ہے وہ اب کسی اخلاقی اصول کو اہمیت دینے کیلئے تیار ہی نہ تھے۔ اس وجہ سے مالتھوس کی اس مردہ تحریک

ضبطِ ولادت میں انیسویں صدی کے آخر میں دوبارہ جان پڑ گئی اور یہ نئی تحریک "نومالتھوسی تحریک" (NEW MALTHUSIAN MOVEMENT) کہلائی ۱۸۷۷ء میں ڈرلیسڈیل (DRYS DALE) کے زیرِ صدارت ایک انجمن قائم ہوئی جس نے ضبطِ ولادت کی تائید میں نشر و اشاعت شروع کر دی۔ اس کے دو سال کے بعد مسز بیزنٹ کی کتاب "قانونِ آبادی" (LAW OF POPULATION) شائع ہوئی جس کے ایک لاکھ پچیس ہزار نسخے پہلے ہی سال فروخت ہو گئے ۱۸۸۱ء میں یہ تحریک ہالینڈ، بلجیم، فرانس اور جرمنی میں پہنچی اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یورپ اور امریکہ کے تمام متمدن ممالک میں پھیل گئی۔ باقاعدہ انجمنیں قائم ہوئیں جنھوں نے تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے لوگوں کو ضبطِ ولادت کے فوائد اور اس کے عملی طریقوں سے آگاہ کیا۔ اس کو اخلاقی لحاظ سے جائز بلکہ مستحسن اور معاشی نقطۂ نظر سے مفید بلکہ قطعاً ناگزیر بتایا گیا، اس کے لئے دوائیں ایجاد ہوئیں، آلات بنائے گئے عام لوگوں کی دسترس تک ان چیزوں کے پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ جگہ جگہ ضبطِ ولادت کے مطب (BIRTH CONROL CENTRE) قائم کئے گئے۔ جہاں مردوں اور عورتوں کو ضبطِ ولادت کے ماہرانہ مشورے دئے گئے اور اس تحریک کو مشرقی اور مسلمان ممالک میں پھیلانے کے منصوبے تیار کئے گئے۔ اس تحریک کے فروغ کی خاطر مسلمان ممالک کیلئے کروڑوں روپے سالانہ کی امداد منظور کی گئی۔ مگر اس ساری منصوبہ بندی کے پیچھے اضافۂ آبادی کو روکنے کا پروگرام تو برائے نام رہ گیا اور مادہ پرست تہذیب اور نفس پرست تمدن کا فروغ اور کچھ سیاسی مقاصد زیادہ ابھر کر سامنے آ گئے۔ مگر مغرب سے آئی ہوئی ہر وبا کا استقبال کرنے والوں نے نہ اس کے اخلاقی مفاسد پر غور کئے بغیر اپنے ملکوں میں فروغ دینے کا بیڑہ اٹھا لیا۔

مغربی ممالک کے دانشوروں کے خیالات

فرانس کے مدبرِ اعظم مارشل پیتیان (MARSHAL PETAINE) خود جون ۱۹۴۰ء کی شکست کے بعد اعلانیہ اس کا اعتراف کیا کہ ہماری یہ ذلت ہماری اپنی نفس پرستیوں کا نتیجہ ہے اور دنیا کے اہلِ بصیرت نے بالاتفاق فرانس کی شکست کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اس کی شرحِ پیدائش میں مسلسل کمی کو قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی وہ سلطنت جو چار براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی، دیکھتے دیکھتے پارہ پارہ ہو گئی۔

دنیا کی دوسری عظیم تر قوم برطانیہ کو بھی اسی خطرہ سے دوچار ہونا پڑا۔ جس پر مسٹر چرچل کے صاحبزادے مسٹر رینڈولف چرچل نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم اس خطرہ سے آگاہ ہو چکی ہے کہ اگر ہماری شرحِ پیدائش اسی طرح گھٹتی رہی تو ایک صدی کے اندر جزائرِ برطانیہ کی آبادی صرف ۴۰ لاکھ رہ جائے گی اور اتنی کم آبادی کے بل بوتے پر برطانیہ میں بہت بڑی طاقت نہ رہ سکے گا"

پھر اس شرح کی کمی کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:—

"برطانوی لوگوں کو اپنے معاشرتی مرتبہ کا خیال بہت زیادہ ہے۔ اور وہ نہایت مبالغہ کے ساتھ اپنے اس مرتبہ کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ہاں قصداً افرادِ خاندان کی تعداد کم تر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے کیونکہ بچے ایک سے دو ہونے کی صورت میں انہیں خوف ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اس شان کے ساتھ اسکول نہ بھیج سکیں گے۔ جس کے ساتھ ان کے ہمسایوں کے بچے جاتے ہیں اور اس سے معاشرہ میں ان کی حیثیت گر جائے گی۔

ایک فرانسیسی مصنف لکھتا ہے کہ فرانس میں ضبط ولادت پر عمل کرنے والے جوڑوں سے جب وہ وجوہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی جن کی بنا پر وہ اولاد کی پیدائش روکنے کی کوشش کرتے ہیں تو پتہ چلا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو کثرت عیال اور قلت مال کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگوں کے محرکات یہ ہیں:۔

اپنی مالی حالت بہتر بنانا اور معیار زندگی بلند رکھنا اپنی جائداد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہونے سے بچانا، اکلوتے بچے کو بہت اعلیٰ تعلیم دینے کی کوشش کرنا اور اور شاندار مستقبل کیلئے تیار کرنا، بیوی کے حسن و جمال و نزاکت کو بچوں کی پرورش کی کھکھیڑ سے بچانا، اپنے سیر و تفریح آزادی کو محفوظ رکھنا PAUL BUREAT TOWARDS MORAL BANK RUPTCY

(LONDON. 1925 - P - 64)

ان حالات کو دیکھتے ہوئے انگلستان میں آبادی کمیشن رپورٹ ۱۹۴۹ء پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور ماہرین نے اندازہ لگایا کہ:۔

ایسی آبادی کے لئے جس میں دو بچوں کا رواج ہوا اور جس میں بالآخر شادی پر دو بچے زندہ رہیں نیست و نابود ہو جانا مقدر ہے۔ ایسی آبادی نسلاً بعد نسل کم ہوتی چلی جائیگی اور ہر تیس سال کے بعد وہ پہلے سے کم ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ ایسے ہزار افراد جن میں دو بچوں کا رواج ہو، پہلے تیس سال کے بعد صرف ۴۳۱ رہ جائیں گے ... ۹۰ سال کے بعد ۲۸۹ اور ڈیڑھ سو برس بعد صرف"۔

(Marriage and Family New York

1949 - Page 239

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ایک ماہر عمرانیات یوں نے کا اظہار کرتا ہے:۔

"اگر یا شخص آج زندہ ہوتا تو وہ غالباً اس بات کو محسوس کر لیتا کہ مغربی انسان نے پیدائش کو روکنے میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی دور اندیشی سے کام لیا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اپنی تہذیب کی مستقبل کی فکر کرنے میں وہ بہت ہی کوتاہ نظر ثابت ہوا ہے"۔

تحریک ضبط ولادت کے نقصانات پر ایک اور مورخ کے خیالات بھی اپنے اندر عبرت و موعظت کا بڑا سامان رکھتے ہیں۔ "ایک اور طریقہ جس سے ایک مسرف اور اوباش قوم کی زندگی کو کم کر دیا جاتا ہے۔ وہ شرح پیدائش کی کمی ہے یہ قدرت کا قانون ہے کہ جو اقوام لذت پرستی اور جنسی آوارگی میں مبتلا ہوتی ہیں۔ وہ افزائش اطفال سے غافل رہتی ہیں اور بچوں کو اپنی آزادی اور خوش فعلی کی راہ میں مانع تصور کرتی ہیں، یہ رویہ ان کو مانع حمل کے ذرائع استعمال، اسقاط حمل اور اسی نوع کی دوسری تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی آبادی پہلے تو ساکن اور غیر متغیر ہو جاتی ہے اور پھر کم ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ وہ اس مقام پر پہونچ جاتی ہے، جہاں وہ اپنی بنیادی ضرورتوں تک پورا کرنے کی اہل نہیں رہتی یعنی نہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کو قائم رکھ سکتی ہے اور نہ اپنے دشمنوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہے۔ یہ خود کشی ہے جس کے ذریعہ بہت سی قومیں زوال کا شکار ہوتی ہیں"۔

Sarshin - The American Second

Revolution - P78 - 79

اس مختصر جائزے سے آپ ان نتائج کا جو "ضبط ولادت" کو ایک قومی پالیسی اور ایک اجتماعی تحریک کے طور پر قبول کرنے سے دنیا کے مختلف ممالک میں رونما ہو چکے ہیں۔ ان نتائج کو ہر صاحب نظر اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح دنیا کی مختلف قومیں اپنے عروج کو پہنچ جانے کے بعد سنت اللہ کے مطابق تنزل کی طرف جا رہی ہیں اور اپنے تنزل کا انتظام خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے

_____ مگر کوئی قوم جس کو ابھی ابھی غیروں کی غلامی سے آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا ہو اور وہ دورِ زوال سے نکل کر ترقی کرنے کی خواہشمند ہو کیا اس کے لئے یہ کوئی دانشوری کی بات ہوگی؟ کہ ترقی کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز ہی ان کی حماقتوں سے کرے جو دوسری قوم نے بامِ عروج پر پہنچ کر کی ہوں۔؟

تحریکِ ضبطِ ولادت اور عالمی سیاست

مسلمانوں کو اہلِ مغرب کی طرف سے ٹھونسی جانے والی اس "تحریکِ ضبطِ ولادت" کو اپنانے یا اس کو اپنے ہاں فروغ دینے سے پہلے اس کے سیاسی پہلوؤں کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہئے تھا۔ کیونکہ کسی ملک میں ضبطِ ولادت کی نہ کوئی معاشی ضرورت پہلے تھی نہ اب ہے۔ مغربی ممالک میں اس کا فروغ معاشی اور تمدنی وجوہ سے تھا اور آج مغرب جن مقاصد کے لئے اس کو فروغ دے رہا ہے اور کروڑوں روپے کی ایڈ (AID) بھی فراہم کر رہا ہے۔ وہ اصلاً سیاسی ہیں۔ تاریخ کا ہر طالب علم اس امر سے واقف ہے کہ کثرتِ آبادی کی سیاسی اہمیت بڑی بنیادی ہے، ہر تہذیب اور ہر عالمی طاقت نے اپنے تعمیری اور تشکیلی دور میں آبادی بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کی ان اقوام نے جنہوں نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، ہمیشہ تکثیرِ آبادی کی روش اختیار کی ہے۔ اس کے برعکس زوال پذیر تہذیبوں میں آبادی کی قلت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ آبادی کی قلت بالآخر سیاسی و اجتماعی قوت کے زوال پر منتج ہوتی ہے اور وہ قوم جو اس حالت میں گرفتار ہو جائے آہستہ آہستہ گمنامی کے غار میں جا گرتی ہے۔ کسی بھی ملک کے لئے اس کی افرادی قوت (MANPOWER) ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی اس افرادی قوت سے کام لینے کے لئے صحیح منصوبہ بندی کرے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ذرا سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کے حالات اور ان کے ہاں آبادی کی کمی کو نگاہ میں رکھیں کہ جب سے یہ علاقے تیل کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں اور انہیں ترقیاتی اور تعمیری منصوبوں کا شعور پیدا ہوا ہے کس طرح ان کو اپنے ہاں قلتِ آبادی کا احساس ہوا ہے اور وہ آج اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے دوسرے ملکوں سے زیادہ سے زیادہ افرادی قوت درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان کے لاکھوں افراد ان ممالک میں جا کر کام کر رہے ہیں اور ان کی محنت سے زرِ مبادلہ کی کثیر رقم پاکستان کو مل رہی ہے، کیا زرِ مبادلہ کی رقم ہماری کثرتِ آبادی کی رہینِ منت نہیں ہے۔ آج اگر ریاست کویت کی آبادی سولہ لاکھ ہے تو آٹھ لاکھ غیر کویتی ہیں... یعنی ان کی نصف آبادی غیر کویتی ہے۔ یہی حالات دوسرے عرب اور ریاستی ممالک کے بھی ہیں۔

بقیہ آئندہ

بقیہ: بلند پایہ جرنیل

وہ جانتے تھے کہ حملہ آور ظالم اور غدار ہیں اور اپنی جان کی امان طلب کرنا بھیک نہیں، بلکہ اپنا جائز حق طلب کرنے کے ہم معنی ہے۔ لیکن وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ سوال کرنے کے قابل صرف ایک ہی در ہے۔ ہاتھ پھیلانے کے لائق صرف ایک ہی ہستی کی بارگاہ ہے۔ ان ہاتھوں سے زندگی کی بھیک بھی قبول نہیں کی جا سکتی جو مومنوں کے خون سے رنگین اور کفر و شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس انسان سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہو سکتا جس نے باطل کے رحم و کرم پر جینے کے بجائے خدا کے نام پر مرجانا پسند کر لیا ہو جس نے اپنی جانِ عزیز اپنے خالقِ حقیقی کے قدموں پر نثار کر دی ہو، اسی لئے ایک لمحے کیلئے [illegible] کے اس مسافر نے کفر کی کشمکش قدموں تلے روندتے ہوئے اعلان کیا کہ مجھے زندگی نہیں، موت مطلوب ہے [illegible] زندگی کی [illegible] خدا کے رسول نے جب یہ واقعہ سنا تو اس مجاہد کی توصیف [illegible] انھوں نے موت کی طرف خود پیش قدمی کی۔

گزشتہ سے پیوستہ

عبدالحئی فاروق
متعلم درجہ ہفتم

کمیونزم کی فکری بنیادیں

مارکس نے ان سماجی تبدیلیوں کی توجیہ حسب ذیل اصول کے تحت کی۔

۱۔ جدلیاتی مادیت DIALECTICAL MATERIALISM
۲۔ مادی تعبیر تاریخ (MATERIALISTIC INTER-PRATATION OF HISTORY)
۳۔ طبقاتی کشمکش CLASS STRUGGLE
۴۔ نظریہ قدر زائد (THEORY OF SURPLUS VALUE)

۱۔ جدلیاتی مادیت: مارکس نے جدلیاتی مادیت کا نظریہ ہیگل سے مستعار لیا ہے۔ ہیگل نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ دنیا میں افکار و نظریات کی تبدیلی باہمی تضاد کے ذریعہ واقع ہوتی ہے۔ ایک قدیم نظریہ نئے پیدا ہوتے ہوئے نظریہ سے ٹکراتا ہے۔ اور ان کے باہمی تضاد سے ایک نیا نظریہ وجود میں آتا ہے۔ ہیگل نے اس تضاد کو THESIS نظریہ، ANTI THESIS (تضاد نظریہ) اور SYNTHESIS (ترکیب نظریہ) سے تعبیر کیا ہے۔

مارکس نے بتایا کہ یہ تضاد اور ٹکراؤ افکار کی دنیا میں نہیں بلکہ مادہ کی دنیا میں ہوتا ہے۔ ہیگل نے خود ہی لکھا ہے۔

"My dialectical method is not only defferent from hegelian dielect. But is directly appoit to it. I found the hegelian dielecties standing or its head, I put it down on its feet."

"میرا جدلیاتی نظریہ نہ صرف ہیگل کے جدلیاتی نقطۂ نظر سے مختلف ہے بلکہ صریحاً اس کے خلاف ہے۔ میں نے اسے پچھاڑ دیا ہے۔"

ہیگل کے جدلیاتی عمل کی توضیح گیہوں کے ایک پودے سے کی جا سکتی ہے۔ زمین میں ڈالا گیا بیج ایک THESIS ہے۔ یہ بیج ہوا، پانی اور دیگر غذائی اشیاء سے مرکب ہو کر پودا بن جاتا ہے۔ یہ ANTI THESIS ہے۔ یہ پودا بھی دھوپ اور حرارت سے سوکھ کر ایک الگ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ SYNTHESIS ہے۔

مارکسی نقطۂ نظر کے مطابق یہی جدلیاتی عمل مادی ذرائع پیداوار میں بھی واقع ہوتا ہے۔ اولین دور میں ذرائع پیداوار پر ہر شخص کا ذاتی قبضہ تھا۔ یہ THESIS ہے۔ پھر دور غلامی میں یہ ملکیت کچھ لوگوں کے لئے مخصوص ہونے لگی اور مزدور ان کے غلام بن گئے۔ ذرائع پیداوار میں یہ تبدیلی ANTITHESIS تھی۔ پھر ان زمینوں پر بھی جاگیرداروں کا قبضہ ہو گیا۔ THESIS اور ANTITHESIS کے ٹکراؤ سے دور جاگیرداری SYNTHESIS بن گیا۔ پھر جاگیرداروں نے صنعت کاروں سے بھاری ٹیکس وصول کرنے شروع کئے جس کے نتیجہ میں جاگیرداروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا اور اسی رجحان نے سرمایہ داری کی بنیاد ڈالی۔ گویا جاگیرداری جو SYNTHESIS تھا ایک THESIS بن گیا۔ اور سرمایہ داری ANTITHESIS۔ اس سرمایہ دارانہ نظام میں چونکہ مزدوروں کا استحصال کیا جا رہا ہے لہٰذا اس کا بھی ایک ANTI نظریہ اجتماعی ملکیت کے مطالبے کی شکل میں ابھر رہا ہے۔ اس طرح جاگیرداری اور سرمایہ داری (THESIS اور ANTITHESIS) کے ٹکراؤ سے اشتراکیت ایک SYNTHESIS بن کر ابھر رہی ہے۔

یہ اشتراکی سماج، سماجی ترقی کی آخری منزل ہے لہٰذا اس THESIS کا کوئی ANTITHESIS نہیں پیدا ہوگا۔ جس طرح انسان مادی نقطۂ نظر کی رو سے ترقی کی آخری منزل کو پہونچ چکا ہے۔ اسی طرح اشتراکیت سماجی ترقی کی آخری منزل ہے۔

۲۔ **مادی تعبیر تاریخ**:۔ کمیونزم کی اصل بنیاد یہی جدلی مادیت ہے۔ تاریخ کی مادی تعبیر کرکے مارکس نے اسی جدلی مادیت کو ثابت کیا ہے۔ تاریخ میں جو تغیرات ہوئے قوموں پر جو عروج و زوال آئے ثقافت سیاسی و معاشی نظریات جو پیدا ہوئے اور ختم ہوگئے۔ وہ سب ذرائع پیداوار میں تبدیلی کی عکاسی کرتے ہیں۔ جاگیردارانہ نظام پر جو زوال آیا اس کا واحد سبب یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام جو ابھر رہا تھا اس کے مفاد سے ٹکراتا ہے جو ذرائع پیداوار پر سرمایہ دار طبقہ قابض ہو کر آزادانہ تجارت کرنا چاہتا تھا۔ جاگیردار اس سے بھاری ٹیکس وصول کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس ابھرتے ہوئے نظریہ نے سابقہ فرسودہ نظریہ پر قابو پالیا۔ اس طرح مارکس نے بتایا کہ ذرائع پیداوار کی تبدیلی نے تاریخ پر زبردست اثرات مرتب کئے ہیں۔

۳۔ **طبقاتی کشمکش**:۔ تاریخ کے مطالعے سے مارکس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہر زمانے میں انسان دو گروہوں میں تقسیم رہا ہے ایک ظالم اور دوسرا مظلوم، غالب طبقہ ہمیشہ مغلوب طبقے کا استحصال کرتا رہا۔ کمیونسٹ مینی فیسٹو (Communist Manifesto) کا پہلا فقرہ ہے۔
"THE HISTORY OF ALL HITHERTO IS THE HISTORY OF CLASS STRUGGLE".
پوری انسانی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے۔ ۱۸۴۸ء میں مارکس اور اس کے ساتھی انجلز نے کمیونسٹ مینی فیسٹو شائع کیا اس منشور میں دنیا کے مزدوروں سے کہا گیا تھا۔ "The proletarian have nothing to lose but these chains. They have a world to win. Working men of all countries unite."
(نادار عوام کو اپنی زنجیریں کاٹ پھینکنا ہے۔ انھیں ایک دنیا کو فتح کرنا ہے۔ تمام ملکوں کے محنت کشو! متحد ہو جاؤ۔)

مارکس کے خیال میں یہ طبقاتی نزاع اس وقت تک جاری رہے گی جب تک انفرادی ملکیت کا وجود برقرار رہے گا۔ کیونکہ جس کے پاس وہ دوسرے وسائل پر قبضہ جمائے گا کوئی بھی ذریعہ ہوگا وہ دوسروں کا استحصال کرے گا اور دونوں کے درمیان کشمکش جاری رہے گی۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ ملکیت کو سماج کی تحویل میں دے دیا جائے اور ہر فرد بقدر ضرورت اشیاء حاصل کرے۔

۴۔ **نظریۂ قدر زائد**:۔ اس نظریے کے ذریعہ مارکس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک سرمایہ دار مزدور کا استحصال کیسے کرتا ہے۔ قدر کسی چیز کے اندر کی وہ صلاحیت ہے جو کسی ضرورت کو پورا کر سکے۔ بشرطیکہ اس چیز کی کمی پائی جاتی ہو جس کی بنا پر خرید و فروخت کی ضرورت پیش آئے۔ مثلاً دریا کے کنارے دریا کے پانی کی کوئی قدر نہیں کیونکہ بہت وافر مقدار میں پانی بلا معاوضہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پانی پر قبضہ کرلے اور بغیر قیمت لئے پانی نہ لینے دے تو اسی پانی میں قدر پیدا ہو جائے گی۔ اگر وہ ایک گلاس پانی ایک روپیہ میں دیتا ہے تو کہا جائے گا کہ ایک گلاس پانی کی قدر ایک روپیہ ہے۔ کسی چیز کی فروخت سے جو قیمت حاصل ہوتی ہے اسے قدر تبادلہ کہتے ہیں۔ ایک گلاس پانی کی قدر تبادلہ ایک روپیہ ہے۔

مارکس نے بتایا کہ سرمایہ دار چیزوں کو ان کی اصل لاگت سے زیادہ پر فروخت کرکے نفع نہیں حاصل کرتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر سرمایہ دار دوسرے سرمایہ دار کو دھوکا دیتا ہے اور اس طرح بحیثیت مجموعی سرمایہ دار طبقہ کا نقصان ہونا چاہئے جبکہ وہ نفع حاصل کر رہا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ نفع بازار میں نہیں بلکہ دوران پیداوار ہوتا ہو۔ مارکس نے بتایا کہ ایک مزدور اپنا جو محنت صرف کرتا ہے اس کی اصل اجرت نہیں ملتی۔ مثلاً ایک

سے۔ اشتراکیت روس کی تجربہ گاہ میں ۔ منظر علی عابدی ص ۲۸

مزدور اصلاً ۱۰ روپیہ کا کام کرتا ہے مگر سرمایہ دار اسے صرف پانچ روپئے دیتا ہے اس طرح بقیہ پانچ روپئے "قدر زائد" ہیں۔ یہ جو سرمایہ دار کی جیب میں جاتا ہے اور اس طرح وہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

ان چاروں اصولوں کے مطالعہ سے بحیثیت مجموعی جو بات نکلتی ہے وہ یہ کہ طبقاتی کشمکش ہر زمانے میں رہی ہے سرمایہ دار قدر زائد کے ذریعہ مزدور کا استحصال کرتا رہا لہٰذا اس کشمکش کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا ایک زمانہ آئے گا جب خود بخود غیر طبقاتی سماج وجود میں آ جائے گا۔

مارکس جو اس نظریہ کا بانی تھا اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ یہ غیر طبقاتی سماج جدلی عمل کے ذریعہ خود بخود وجود میں آئیگا وہ اقتصادی جبریت کا قائل تھا۔ یعنی افکار و نظریات اور مذاہب سب مادی حالات کی پیداوار ہیں۔ جاگیرداروں اور بادشاہوں نے غریب عوام کا استحصال کرنے کیلئے مذہب کا سہارا لیا تھا اگر لوگ بادشاہ کو خدا کا نمائندہ تسلیم نہ کریں تو کیونکر اس کی بات مانیں گے۔ پہلے خدا کی ہیبت دل میں بٹھائی گئی پھر بادشاہ کو اس کا نمائندہ بنایا گیا تاکہ لوگ اس سے بھی خوف کھائیں اور وہ کمزور کا استحصال کرتا رہے۔ کارل مارکس نے لکھا ہے کہ "قانون، مذہب اور اخلاق سب بورژا طبقے کے فریب ہیں جس کی آڑ میں اس کے بہت سے مفادات چھپے ہوئے ہیں۔" یہیں سے مارکسزم مذہب دشمنی کا علمبردار ٹھہرا۔

مارکس تو اقتصادی جبریت کے اصول پر غیر طبقاتی سماج کے قیام کا خواہاں تھا۔ مگر بعد کے لوگوں نے طاقت کے زور سے اس سماج کے قیام کی کوشش شروع کر دی۔ اس کا نام کمیونزم رکھا۔ کمیونزم کے بنیادی اصول دو ہیں۔ (۱) طبقاتی کشمکش (CLASS STRUGGLE) (۲) انقلاب (REVOLUTION) یعنی طبقاتی کشمکش کو تیز سے تیز تر کر کے گولیوں کے زور پر انقلاب برپا کیا جائے۔ لینن (LENIN) اسٹالن (STALIN) اور مارکس کی تعلیمات کا خلاصہ S.B. CHAWDHARY کے الفاظ میں یہ ہے:-

COMMUNISM IS THE REVOLUTIONARY FORM OF SOCIALISM AIMING AT THE EASTABLISHING OF A CLASSLESS AND STATELESS SOCIETY WHERE THE WEAK IS NOT EXPLOTED AND THE INTREST OF ALL IS PROTECTED. THERE WOULD BE COLLECTIVE OWNESHIP ON THE MEANS OF PRODUCTION AND THE DISTRIBUTION SYSTEM. THERE, EACH, WILL GET ACORDING TO HIS NEED AND EACH WILL WORK ACORDING TO HIS CAPACITY.

کمیونزم سوشلزم کا انقلابی طریقہ ہے۔ جس کا مقصد غیر طبقاتی اور غیر مملکتی سماج کا قیام ہے۔ جہاں کسی کا استحصال نہ ہوگا اور ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔ جہاں ذرائع پیداوار پر اجتماعی ملکیت ہوگی اور تقسیم کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا۔ جہاں ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق چیزیں مہیا ہونگی اور ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق کام آئے گا۔

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

اقبال

حسن حبیب کے قلم سے

جامعہ کے لیل و نہار

جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ مقابلے

جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کے مختلف شعبوں کے سالانہ مقابلے جو ۲۲ جنوری ۸۵ء سے جاری رہیں۔ ۱۵ فروری ۸۵ء کو ختم ہو جائیں گے بیشتر مقابلوں میں طلبہ کی اکثریت کی شرکت اور ان کی دلچسپی ہمارے لیے یقیناً خوش آئند بات ہے۔ ابتک کے مقابلوں میں اوّل دوم اور سوم آنے والوں کے نام ذیل میں درج ہیں۔ انعامات انشاءاللہ دو سالہ کنونشن کے موقع سے تقسیم کئے جائیں گے۔

۱۔ مقابلہ قرأت و تجوید۔

جاوید سلطان — اوّل
قمر عالم — دوم
نسیم اختر — سوم

تقریری مقابلہ اردو

ششم و ہفتم ثانوی
رئیس احمد — اوّل
محمد ساجد — دوم
منظور احمد — سوم

تقریری مقابلہ اردو

عربی اوّل

مقابلہ بیت بازی

درجہ سوم، چہارم اور پنجم
حفظ الرحمن }
عبید اللہ } — اوّل
محمد عقیل — دوم
شمس الدین — سوم

امان اللہ فہد — اوّل
نسیم اختر گیاوی — دوم
موسیٰ کلیم — سوم
عربی دوم
محمد عثمان }
محمد یٰسین } — اوّل
ذوالفقار علی — دوم
اشفاق احمد — سوم

عربی سوم تحریری مقابلہ اردو

رضوان الحق — اوّل
فیضان احمد — دوم
زبیر احمد — سوم

تحریری مقابلہ اردو

عربی چہارم و پنجم

نظام الدین — اوّل
عبد الرب — دوم
عبد البر — سوم

تحریری مقابلہ اردو

عربی ششم و ہفتم

عبد الحی فاروق — اوّل
توقیر عالم — دوم
محی الدین ساجد — سوم

تقریری مقابلہ عربی

عربی اوّل

محمد عثمان — اوّل

اخلاق احمد — دوم
شمس نوید — سوم

الفلاح

جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کا سالانہ میگزین "الفلاح" انشاءاللہ مارچ ۸۵ء تک آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ فراہمی مضامین کی کوشش جاری ہے۔ پیغامات کیلئے اہل علم و رائے حضرات کے پاس خطوط بھی لکھے جا چکے ہیں۔ تمام فلاحی برادران سے گزارش ہے کہ وہ اپنے جذبات و احساسات اور مشورے و پیغامات ۲۸ فروری تک جمعیت کے نام ارسال کر دیں تو بہتر ہوگا۔

شاعر کی نوا ہو [illegible] افسردہ و بیداری
افکار میں سرمستی نہ ہو [illegible] بیدار
اقبالؔ